سیاحِ لامکاں

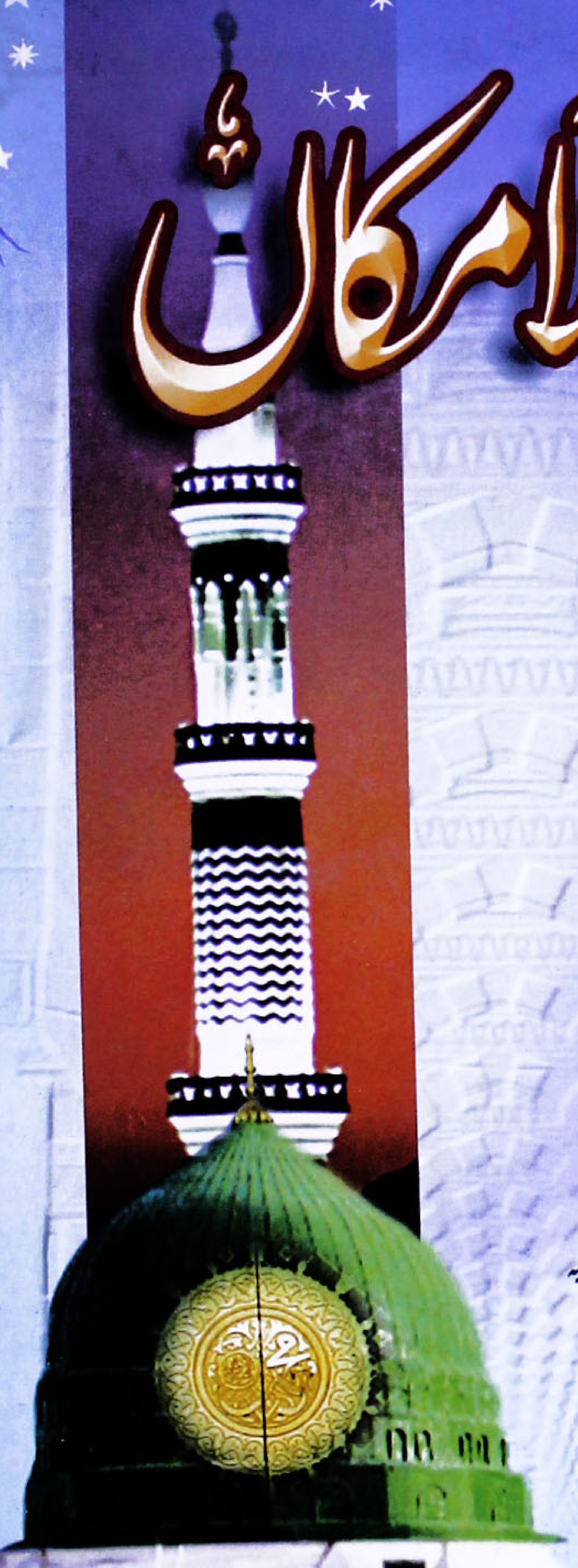

مؤلفہ

شمسِ شریعتِ محمدیہ، ماہِ طریقت سہروردیہ

حضرت مولانا الحاج سید **ابوالفیض قلندر علی سہروردی** رحمۃ اللہ علیہ

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

11- گنج بخش روڈ لاہور

042-7313885

سیاحِ لامکاںؒ

مؤلفہ

شمسِ شریعتِ محمدیہ ماہِ طریقتِ سہروردیہ
حضرت مولانا الحاج سیّد ابوالفیض قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
۱۱۔ گنج بخش روڈ لاہور
042-7313885

Marfat.com

ترئین واہتمام

سیّد شجاعت رسول شاہ قادری

جملہ حقوق محفوظ ہیں

85032

نام کتاب -------- سیاح لامکان

مصنف -------- ابوالفیض قلندر علی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

تاریخ اشاعت ------- اگست 2003ء

صفحات -------- 192

مطبع -------- اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ناشر -------- نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور

قیمت ------ Rs 100

ملنے کا پتہ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11 گنج بخش روڈ، لاہور فون: 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ-A فیصل آباد فون: 626046

Marfat.com

فہرست

تہدیہ	۵
دیباچہ	۷
جنون تحقیق	۱۳
سائنس اور معجزہ	۱۹
معجزات اور اس کی حقیقت	۲۵
معجزات سیّد انس و جان	۲۹
ترجمہ آیت معراج شریف	۳۹
لیلۃ الاسراء میں مقام روانگی اور انتخاب سواری	۴۳
تاریخ کعبہ و مکہ مکرمہ	۵۳
شاہسوار عرب مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک	۶۳
تاریخ بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ	۶۹
عروج الی السماء یا سیر افلاک	۸۳
لقائے حبیب	۹۱
لیلۃ المعراج کے انعامات اور حقیقت صلوات	۹۷
سیر جنت	۱۰۵
معائنہ جہنم	۱۱۳
آنحضرت ﷺ کے والدین کا ناجی ہونا	۱۲۱
مسئلہ معراج اور معترضین	۱۳۱
حکایات نادرہ	۱۶۳
نور مجسم ﷺ کا بے مثل الصفات ہونا	۱۷۵

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

صلى الله على النبي الامي وآله

صلى الله عليه وسلم صلوة وسلاما عليك يا رسول الله

Marfat.com

تہدیہ

اُس عقیدت کے لحاظ سے جو ہر مسلمان کو حضورِ پُرنور افضل المرسلین خاتم النبیین، محبوبِ رب العالمین۔ تاجدارِ دوجہان، سیاحِ لامکان، نبی الانبیاء۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے۔ فقیر اس ناچیز تالیف کو آپ کی بارگاہِ رسالت میں پیش کرتا ہے کہ بارگاہِ معبودِ حقیقی میں باجدِ اطہر صرف حضور ہی کو یہ شرفِ عروج ملا۔ اور حضور ہی نے کما حقہ، تمام بنی نوعِ انسان کو درسِ توحید دیا۔

ابوالفیض قلندر علی سہروردی

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
بروں آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

تعلیمِ جدید نے ہندوستان کی ہر چیز پر اپنا اثر ڈالا ہے اور یہاں کی ہر قوم وملت نے اس سے کچھ نہ کچھ اثر قبول کیا ہے۔ اس تعلیم کی بدولت جہاں ہم میں روشن خیالی آئی ہے تحقیق وتدقیق کا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ یورپ کے نئے نئے علوم وفنون کے مطالعہ کا شوق دامنگیر ہوا ہے۔ وہاں ہمارے پرانے اعتقادات میں بھی ایک ہلچل سی مچ گئی ہے۔ اور مذہبی معتقدات میں شکوک وشبہات اور ظن واوہام پیدا ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں پر اس تعلیم کا نمایاں اثر نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۵۷ء کے بعد موجودہ نظامِ تعلیم کو کامیاب بنانے کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے گئے اور ہر مذہب وملت کے پیروؤں کو اس طرف کھینچا گیا تو مسلمانوں نے اس تعلیم کی سخت مخالفت کی۔ اور علماء کرام نے اس مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آج اس تعلیم کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ حامی اور مخالف سب یکساں طور پر یہ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ نظامِ تعلیم سخت ناقص نقصان دہ اور مضرت رساں ہے۔ اسے فی الفور بدل دینا چاہئے۔ اس کی بدولت دہریت کا سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے۔ دل مسخ ہو رہے ہیں اور وہ روحانیت جس پر مشرق ہمیشہ ناز کرتا تھا رفتہ رفتہ مٹ رہی ہے۔ مذہب کے خلافِ علم بغاوت بلند کیا جارہا ہے مذہب کو تمام برائیوں کا سرچشمہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ ملک کے گوشے گوشے سے "مذہب مردہ باد" کے نعرے لگ رہے ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں جب مذہب کی ہندوستان (پاک وہند) کے اندر وہی دُرگت بنے گی جو روس میں بالشویکوں کے ہاتھوں بن چکی ہے۔

Marfat.com

یہ اسی تعلیم کا اثر ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہوگئی ہے جو ہر چیز کو یورپ کی عینک لگا کر دیکھتی ہے۔ اور معجزات کی منکر ہو کر ان کی مختلف تاویلیں کر رہی ہے۔ چنانچہ اس دور میں قرآنِ کریم کی جس قدر تفسیریں لکھی جا رہی ہیں۔ ان میں اکثر اسی رنگ کی حامل ہوتی ہیں۔

تاویل پسند لوگوں نے سب سے بڑھ کر مسئلہ معراج کی طرف توجہ مبذول کی ہے۔ معراج شریف کا واقعہ سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اور اس پر گزشتہ ایک ہزار برس میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مسلمانوں کی کوئی زبان اس کے ذکر سے خالی نہیں۔ حتیٰ کہ پنجابی جیسی بے مایہ زبان میں بھی متعدد معراج نامے موجود ہیں۔ جن کے ایک ایک لفظ سے حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت ٹپکتی ہے۔

سب سے پُر لطف بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی بعض غیر اقوام ادبا اور شعراء نے بھی معراج شریف کے متعلق اپنی استعداد اور سمجھ کے مطابق طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے بیانات سے بھی اسی عقیدت مندی کی جھلک نظر آتی ہے۔ جو ایک مسلمان شاعر اور ادیب کے بیان میں ملتی ہے۔ پرانی کتابوں میں سے اکثر تو امتدادِ زمانہ سے تلف ہو چکی ہیں بعض گمنامی کے گوشوں میں پڑی سڑ رہی ہیں۔ بعض میں علمی اصطلاحات کی اتنی بھرمار ہے کہ ان کا سمجھنا ایک عام قابلیت کے آدمی کے لئے سخت مشکل ہے۔ اس لئے آج ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ اس واقعہ پر از سرِ نو قلم اٹھایا جائے اور شگفتہ و دلچسپ پیرایہ میں اس پر روشنی ڈالی جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ پنجاب کے کئی صاحب بصیرت اور روشن دماغ حضرات نے اس طرف قدم اٹھایا۔ اور نہایت دلچسپ پیرایہ میں اس واقعہ پر روشنی ڈالی۔ ان میں خانصاحب ذکاء الدین مرحوم سیشن جج، خان بہادر حاجی رحیم بخش ریٹائرڈ سیشن جج اور خانصاحب چوہدری محمد حسین ایم۔ اے سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ کے مقالات خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔ حال ہی میں لاہور کے ایک مشہور صاحب دل بزرگ مولنا حاجی مولوی صوفی ابوالفیض قلندر علی سہروردی نے ایک مبسوط کتاب ''سیّاحِ لامکاں''

Marfat.com

کے نام سے تدوین کی ہے۔صوفی صاحب نہایت نیک دل بزرگ، اور عالمِ باعمل ہیں۔ آپ کا تقویٰ زہد۔ ریاضت اور روحانیت۔ ہماری قصیدہ خوانی کی محتاج نہیں۔ آپ کا فیضان جاری ہے۔ ہزاروں آدمی اس چشمہ سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ آپ کے بیان میں ایک ایسی حلاوت اور چاشنی پائی جاتی ہے۔ جو دل میں چٹکیاں لیتی ہے اور محسوس کراتی ہے کہ لکھنے والا کوئی صاحب دل بزرگ ہے اور روحانیت کی منازل سے آشنا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں معجزات پر بھی بحث کی ہے اور اسی کے ضمن میں سائنس اور معجزات میں فرق بھی بتلایا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے اکثر معجزات بھی اس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں۔

چونکہ کتاب میں حضور علیہ السلام کے معراج کا ذکر تفصیل سے ہے۔ اس لئے آپ نے ایک باب میں خانہ کعبہ کی تاریخ اور دوسرے میں بیت المقدس کی تاریخ بیان کر دی ہے جو دلچسپ ہونے کے علاوہ معلومات سے بھی پُر ہے۔

حضرت مولانا الحاج ابوالفیض قلندر علی سہروردی معراج جسمانی کے قائل ہیں آپ نے اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لئے قرآنِ پاک کی مشہور آیت سبحن الذی کی نہایت دلکش تفسیر کی ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس تفسیر میں آپ نے بعض نہایت دلکش نکات بیان کئے ہیں۔ اور لفظ ''عبد'' ''اسریٰ'' وغیرہ پر لغوی بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا اطلاق روح اور جسم کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ اسی بحث کے دوران میں آپ نے عبودیت پر فلسفیانہ اور صوفیانہ رنگ میں روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عبودیت کے بغیر انسان کسی مصرف کا نہیں۔

سیاحِ لامکان ایک دلچسپ کتاب ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام کی سیرِ افلاک اور محبوبِ حقیقی سے ملاقات کے واقعات کو اجمالی طور پر پیش کرنے کے بعد آپ نے ایک پورا باب صلوٰۃ یعنی معراجِ مومن پر لکھا ہے۔ نماز کی برکات، نماز کی اہمیت اور نماز کے فوائد پر جی کھول کر بحث کی ہے۔ نماز مسلمان پر فرض ہے۔ اور اگر اسے حقیقت کی نظروں سے دیکھا جائے تو مسلمان کی ترقی کے تمام راز نماز میں مضمر نظر آئیں گے۔ آج مسلمان ترقی

Marfat.com

کے لئے مضطرب دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے جو قدم وہ اٹھاتے ہیں الٹا ہی پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانی کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اس کی ہوا بگڑ چکی ہے وہ افتراق وانتشار کا شکار ہو چکا ہے۔ اس اضطراب اور پریشانی کے عالم میں کبھی کبھی اس کے منہ سے بیساختہ یہ صدا نکل جاتی ہے کہ مسلمان کی مرکزیت قائم ہونی چاہئے اس کی تنظیم کے لئے جدوجہد ہونی چاہئے۔ یہ سب باتیں نماز کو باجماعت ادا کرنے سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ جب سے ہم نے اس فریضہ کی طرف سے تغافل برتنا شروع کیا ہے۔ ہم پستی کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ اور جب ہم اس پر عامل تھے۔ ترقی کی تمام شاہراہیں ہمارے سامنے کھلی تھیں۔ پس واقعہ معراج کی سب سے بڑی یادگار اگر قائم ہو سکتی ہے تو وہ نماز ہے۔ محلے محلے میں کمیٹیاں بنی چاہئیں۔ صاحب دل لوگوں کو نماز کے قیام کے لئے عملی تجاویز اختیار کرنی چاہئیں۔ اور اس قسم کے رجسٹر بننے چاہئیں۔ جن میں ہر مسلمان اپنے ہاتھوں سے بلا جبر واکراہ روزانہ درج کرے کہ اس نے کتنی نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کی ہیں۔ اور کتنی نمازیں تنہا گھر میں پڑھی ہیں۔

ہم حضرات مولانا کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے سیّاحِ لامکاں میں ایک خاص باب اسی بات کے لئے وقف کیا اور اس بات کو محسوس کیا کہ نماز درحقیقت پستی سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکتی ہے۔

سیاحِ لامکان کی بعض باتیں موجودہ دور کے مسلمانوں کی چشمِ غفلت کھولنے کے لئے بڑی مفید ثابت ہوں گی۔ ان میں سے ایک چیز جو مجھے بہت پسند ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے ہم مشرب صوفیائے کرام کو دعوتِ عمل دی ہے۔ اور انہیں بتایا ہے کہ ان کا فرض فقط گوشوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ذمے تبلیغ اور اشاعت اسلام کا فریضہ بھی ڈالا گیا ہے۔ اب زاویۂ گمنامی میں بیٹھنے کا وقت گزر چکا ہے۔ حال وقال کی محفلیں ختم ہوگئیں۔ انہیں مردِ مجاہد بن کر میدان میں نکلنا ہوگا۔ اپنے لئے نہیں۔ اسلام کی عزت وحرمت کے لئے۔ تبلیغ واشاعت کے فریضہ کی تکمیل کے لئے۔ کاش کہ تمام صوفی

Marfat.com

آپ کے ہمنوا ہوں اور جس چیز کو آپ محسوس کرتے ہیں۔اسی سے وہ بھی اثر اندوز ہوں اور ہندوستان (پاک و ہند) کے مسلمانوں کی سیاسی، معاشری، روحانی اور مذہبی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیں۔

بہر نوع حضرت مولانا کی کتاب سیّاحِ لامکاں ہر پہلو سے مفید اور دلچسپ ہے۔ ہر پڑھے لکھے مسلمان کا فرض ہے کہ اس سے استفادہ کرے۔

ایم محمد علم الدین سالکؔ ایم۔اے
پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔

Marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

جنونِ تحقیق

وہ پُرفسوں کلام ہے تیرا کہ نکتہ چین
دیوان تیرا دیکھ کے دیوانے ہو گئے

چودہویں صدی ہجری کا قانونی مسلمان بھی عجیب اصول کا انسان ہے کہ ایمان بالغیب کی بجائے ہر شئے دنیوی ہو یا دینی اپنی عقلی تحقیق کے ماتحت قبول کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اصولِ ایمان وعقائد کو کھنگالا جائے۔ ان کو نفسانیت کی کسوتی پر پرکھا جائے اور جب تک ایک ایک عقیدے اور اصول کے متعلق میری ناقص عقل کا اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک کسی ایک پر بھی تسلیم کے لئے تیار نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اسلام کے تمام اصول نہایت سادہ فطری اور عام فہم ہیں۔ اس نفس وشیطا[illegible]فریب خوردہ مسلمان کا یہ اصول ظاہری صورت میں تو بہت دلفریب اور قابلِ قبول معلوم ہوتا ہے۔ اور کسی ظاہر بین کا اس میں مبتلا ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کو ایسے اصول کے ترتیب دینے والے پر حقیقتاً پاکیزگی اور روشن خیالی کا شبہ ہو جاتا ہے بلکہ کہہ گزرتا ہے کہ یہ اصول کسی پاکیزہ خیال اور وسیع القلب بزرگ کی اختراع ہے۔ حالانکہ اس سے زیادہ تاریک خیالی کی مثال دنیا پیش ہی نہیں کر سکتی۔ اور اس عقیدہ وخیال کا انسان درحقیقت الحاد کا مبلغ اور دہریت کا داعی ہوتا ہے۔ وہ مذہب کو بیخ وبُن سے نکال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے اور خدائی احکام کی تابعداری سے انحراف اور سرکشی کی تعلیم دیتا ہے۔ عدم متابعت احکامِ الٰہی کا پرچار کر کے اس عقل کو مشعل راہ بنانا چاہتا ہے۔ جس کی اصلیت قدم قدم پر ٹھوکریں کھانا اور ذلت وخواری کا متحمل ہونا ہے۔ یہی عقل گمراہی کا وہ بنیادی پتھر ہے۔ جس پر کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ میرا مقصد اس فرنچ فیشن نام نہاد مسلمان سے عرض کرنے کا یہ نہیں ہے کہ اسلامی اصول خدانخواستہ عقل کے منافی ہیں ہرگز نہیں بلکہ حقیقتاً اسلام فطرتی مذہب ہے اور

Marfat.com

اس کا ہر اصول عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔ لیکن ادراک و بصیرت کے لئے محض عقل کو معیار بنانا انتہائی جہالت اور گمراہی ہے۔ مسلمان اسلام کے ہر اصول کو عقل کی روشنی میں سمجھے اور ضرور سمجھے لیکن اگر کسی اصول کے سمجھنے میں اس کی عقل اس کا ساتھ نہ دے سکے تو اس اصول کو مردود و نامقبول نہ سمجھ لے کیونکہ اس کی عقل پر غلطی کرنے کا امکان ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عقل کے نقص اور بصیرت کی کوتاہی کے سبب اس اصول کی باریکی اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ عقل غلطی کرسکتی ہے اور نقص عقل مسلم ہے۔ سو دنیا بھر کے عقلا اور تمام زمانہ کے مدبرین گواہ ہیں کہ ان کی عقول نے کیسی کیسی ٹھوکریں کھائیں اور بڑے بڑے مایۂ ناز علماء سے عقلی تحقیق میں غلطی کا ارتکاب ہوا۔ بطلیموس نے (سکونِ ارضی) کا ایک نظریہ پیش کیا۔ جس پر تمام دنیا ایمان لے آئی۔ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد گلیلیو نے اس تحقیق کی دھجیاں اڑا دیں۔ اس کے بعد نیوٹن نے کچھ اور اضافہ کردیا۔ غرضیکہ عقل کا تعمیر کردہ محل اسی طرح تباہ و برباد ہوتا رہتا ہے اور ہر زمانہ میں ہر فلسفی اور صاحب عقل ایک دوسرا قصر تعمیر کردیتا ہے بارہا حرکت و جہت مرکز و اجزا کے متعلق لامحدود نظریے مدون ہوئے لیکن آنے والی صدی کے عقلا نے گزشتہ صدی کے نظریوں کو باطل کر کے رکھ دیا۔ یہ ہے عقل کی کائنات اور اس کے کمال کا عالم۔ کیا اس نوعیت کی عقل پر پورا پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اگر اسی اصول پر دنیا عمل شروع کردے کہ تحقیق کے بغیر کسی بات پر ایمان لانا حماقت ہے۔ تو کائنات کے بہت سے نظریوں اور دنیا کے اکثر اصولوں کے متعلق انسانی عقل شبہ میں رہے گی۔ پھر اس کے علاوہ تحقیق کا یہ سودا انسان کو اس درجہ مضطرب و بے قرار بنا دے گا کہ وہ اضطراب کے سوا کبھی بھی سکون کی دولت سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے گا۔ میرے خیال میں اضطراب روح سے بڑھ کر اور کوئی چیز انسان کے لئے باعث تکلیف نہیں ہوسکتی۔ تحقیق کے اس عجیب و غریب اصول کے مدون کرنے والے کیا دنیا کو مضطرب بنانا چاہتے ہیں اور یقین و ایمان کی اس سرمدی قوت کو دلوں سے چھین لینا چاہتے ہیں جو فلاحِ کونین کی ضامن ہے۔

Marfat.com

حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کا کوئی انسان اس اصول پر کاربند ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس حیاتِ چندروزہ میں کائنات کے لاتعداد اِسرار اور اس کے انگنت شؤن ومظاہر کی کہنہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ جب یہ امر اپنی جگہ ثابت ہو چکا ہے تو پھر ایک محال شئے کے پیچھے دوڑنا کھلی ہوئی حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر وہ اشخاص جو اس نوعیت کے اصول پر ایمان رکھتے ہیں وہ خود اس کے عامل نہیں ہیں اور نہ وہ اس پر عمل کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ پس سکونِ ضمیر اور اطمینانِ قلب کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ انسان ایمان بالغیب کا قائل ہو جائے اور تجربہ ومشاہدہ کے فریب میں مبتلا نہ ہو۔

(ایمان بالغیب) کے نام سے اس دور کے نوجوان تعلیم یافتہ شاید کچھ بھڑکیں گے اور کہیں گے کہ اس زمانہ میں جب کہ ہر چیز کا مطالعہ۔ تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں کیا جا رہا ہے۔ ایمان بالغیب کی تعلیم ایک مضحکہ انگیز چیز ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاؤں گا کہ ہر انسان غیب پر ایمان لانے کے لئے فطرتاً مجبور ہے۔ اور ایمان بالغیب کے بغیر زندگی بسر ہی نہیں ہوسکتی آپ نے جغرافیہ کی کسی کتاب میں پڑھا ہوگا کہ شہر پیکن۔ چین کا دارالسلطنت ہے اور اس جملہ کے پڑھتے ہی آپ ایمان لے آئے کہ واقعی جو کچھ کہا گیا وہ درست اور ٹھیک ہے۔ حالانکہ تحقیق وتجربہ کا منشا تو یہ تھا کہ آپ چین جا کر اس جملہ کی سچائی کو جانچتے کہ آیا پیکن نامی کوئی شہر چین میں ہے بھی یا نہیں۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور آپ ایمان بالغیب کے عامل ہو گئے ہیں۔ اسی طرح آپ دنیا کی ہزاروں چیزوں کے متعلق ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔ ہاں تو مطلب عرض کرنے کا یہ تھا کہ جغرافیہ کی کتاب پڑھنے سے پہلے آپ کے دل میں یہ یقین ہو گیا کہ اس کتاب کا لکھنے والا غلط بیانی سے کام نہیں لے سکتا۔ لہٰذا آپ اس کی ہر بات پر ایمان لے آئے اور آپ نے اپنی عقل کو ایمان بالغیب کے تابع رکھا۔ جغرافیہ، تاریخ علم الانساب نیز دیگر دنیوی علوم کے سلسلے میں تو آپ کی عقل اس فروماندگی کے ساتھ سپر انداختہ ہو جاتی ہے۔ لیکن افسوس کہ اصول مذہب کے متعلق آپ عقل کی تلوار کو بے نیام لے کر اٹھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ جسدِ مذہب کی ہر رگ کو قطع کر

Marfat.com

دیں کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔ یہ تو کھلی ہوئی مذہبی عداوت اور الحاد دہریت کی دعوت ہے۔
ایک جغرافیہ کی کتاب لکھنے والا آپ کے نزدیک معتبر ہے۔ لیکن پیشوایانِ مذہب جن کی عظمت و صداقت ہر حیثیت سے مسلم ہے ان کی نسبت آپ کی عقل طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور ان کی تنقیص کے لئے آپ کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے کیا اسی کو انصاف اور روشن خیالی کہتے ہیں۔

تحقیق کا منشا تو تسکین ضمیر اور اطمینانِ قلب ہے، لیکن فی الحقیقت تسکین و اطمینان کے حصول کا راز (ایمان بالغیب) میں مضمر ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ تحقیق بُری چیز نہیں لیکن اس میں بھی حد سے گزرنا براق کہلائے گا۔ تحقیق کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک انکشافِ حقائق کے لئے تحقیق کرنا۔ دوسرے اپنے مزعومہ خیال اور مفروضہ اصول کی فتح کے لئے تحقیق کی آڑ میں ایمان و مذہب کا شکار کرنا۔ پہلی صورت بالکل مستحسن ہے۔ اور صورتِ ثانی سخت تباہ کن۔ اور اسی کا نام الحاد و دہریت ہے۔ میرے ایمان میں اسلام کی تعلیم شکوک و شبہات سے بالکل پاک ہے۔ اس کا ہر اصول آئینہ سے زیادہ شفاف اور چاندنی سے زیادہ اجلا ہے۔ جو شخص تعصب و عداوت اور پندارِ عقل سے ہٹ کر اس کا مطالعہ کرنا چاہے۔ اس کو یقیناً اطمینان و سکون کی دولت نصیب ہو سکتی ہے۔ لیکن کمال عقل کے ناسزا پندار کے ساتھ اجتہاد و تحقیق کا دعویٰ کرنا اور پھر اصولِ اسلام کو اپنے منشاء کے مطابق سامنے لانا یہ خدمتِ اسلام نہیں بلکہ اسلام دشمنی ہے۔ جس سے کسی قسم کا دینی اور دنیوی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

یہاں چند مثالیں قابل ذکر ہیں جن میں مدعیان عقلی تحقیق کا فتویٰ درکار ہے وہ سمجھائیں کہ اس کا حل کیا ہو گا۔ ایک جماعت کی عقل مذہب کی پابندی چاہتی ہے اور دوسری عدم پابندی۔ ایک کا خیال ہے کہ آسمان کا وجود ہے۔ دوسری اس کو حدِ نگاہ بیان کرتی ہے۔ ایک کے نزدیک زمین گھومتی ہے دوسری کے نزدیک اس کا گھومنا محال ہے۔ ایک جماعت کا نتیجۂ فکر خدا ایک ہے۔ دوسری کا اعتقاد خدا تین یا زیادہ ہیں۔ ایک کے

Marfat.com

نزدیک انسان کے مہذب ہونے کی دلیل عمدہ لباس کا اختیار کرنا ہے دوسری کے نزدیک جانوروں کی طرح برہنہ ہونا لازمی ہے۔ایک جماعت کے خیال میں لڑکے اورلڑکیوں کی مخلوط تعلیم ارتقاء روحانی واصلاح اخلاق کی بہترین صورت ہے دوسری جماعت کے خیال میں احمقانہ فعل ہے۔ایک گروہ کہتا ہے کہ شراب اور خنزیر بہت مضر ہیں۔ دوسرا کہتا ہے نہایت مفید اور معین صحت ہیں۔ایک جماعت کا خیال ہے کہ عورتوں کو مردوں کے بالکل برابر سمجھنا چاہئے۔ دوسری کا خیال ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک زمین و آسمان کا فرق رکھتی ہیں یہ فطرت کے خلاف ہے۔ ایسی بے شمار باتیں ہیں جن میں اہل عقل مبہوت ہوکر رہ جاتے ہیں۔ حیرت ہے کہ عقلی تحقیق کا دعویٰ کرنے والے کیا کریں گے۔

یہ تمہید مختصر طور پر محض اس لئے لکھی گئی ہے کہ اس کتاب کا موضوع (مسئلہ معراج النبی) علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی عقلی تحقیق کا شکار بن چکا ہے۔جس کے بغیر اس مسئلہ کی تصدیق کرنے پر سیّدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صدیق کا لقب حاصل کیا تھا۔اور آج بعض مذبذب عقیدہ کے لوگ اس مسئلہ میں روحانی وجسمانی بحثیں چھیڑ کر بعض اوقات توہینِ نبوت جیسا ایمان سوز کلام کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اتنا علم ہوتا ہے کہ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت میں، رسالت میں، شریعت میں، فضیلت میں، تربیت میں، محبوبیت میں غرضیکہ دینی ودنیوی لحاظ سے زندگی کے ہر علمی وعملی پہلو میں تمام انبیاء علیہم السلام سے مابہ الامتیاز شانِ تفوق رکھتے ہوں۔انہیں شایانِ شان معراج بھی وہی ہوسکتی ہے جس کی نوعیت تمام متقدمین انبیاء علیہم السلام سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہو۔اگر ان مسلمانوں کے نزدیک اس نبوت تامہ اور مستقلہ کی یہی حیثیت ہے تو پھر اس کے کسی جزو کا انکار یا اشتباہ تقصیر محبت نبوی علیہ السلام کی دلیل ہے ان کو اپنے تحفظ ایمان کی فکر کرنی چاہئے۔ وما علینا الا البلاغ۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

سائنس اور معجزہ

بندۂ حق بندۂ اسباب نیست
زندگانی گردشِ دولاب نیست

ازلی وابدی وحدہٗ لاشریک خدا کا بے شمار شکر ہے کہ اس نے اپنی خاص الخاص رحمت و عنایت سے اپنے ناچیز بندہ کو اسلام جیسا گراں بہا خلعتِ کرامت فرما کر اپنے محبوب و خلیلِ خاص کی زبانی هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ کا خطاب عنایت فرمایا۔ اس کی یہی نعمت کم نہ تھی کہ اس پر خاتم النبیین سیّد الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نعمت عظمیٰ کی منزل بھی ہمیں کو قرار دے کر سرفرازی بخشی یہ ایک دوسری بات ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے بعض ناسپاس اس احسانِ خداوندی جل و علاشانہٗ کی قدر نہ کریں۔ اجر عنایاتِ رسالت تو کیا دینا تھا۔ ایسے نام نہاد مسلمان اس کو ان بزرگیوں اور درجات کے ساتھ ایمان میں بھی جگہ نہیں دے سکے جن زینتوں کے ساتھ اسے مزین و ممتاز فرما کر مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اس کی تعلیم کے مقابلے میں عقلی ڈھکوسلوں کو جگہ دے کر معجزات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے۔ حالانکہ معجزہ ایک وہ چیز ہے جس کا مقصد ظہور ہی یہ ہوتا ہے کہ انسانی دماغ اور ان کی محدود عقلیں اس کی حقیقت تک رسائی ہی نہ رکھتی ہوں اگر وہ عقل میں آ جانے کی چیز ہو تو پھر اس میں کیا فضیلت ہے۔ ایسا کام ہر زید، بکر، عمر بھی کر کے دکھا دینے کا مدعی ہو جائے گا۔ اور وہ غرض پوری نہ ہو سکے گی جو معجزہ پیش کرنے میں مضمر تھی۔ کیونکہ مافوق الفطرت عمل کا نام ہی معجزہ ہوتا ہے۔ معجزہ ایک قوتِ روحانی اور عطیہ ایزدی ہے جس سے ہر شخص کو بہرہ نہیں ہو سکتا۔ سوائے انبیاء علیہم السلام کے جو معجزات کے دکھانے میں منجانب اللہ مختار ہوتے ہیں اور جب چاہتے ہیں دکھاتے ہیں۔ برخلاف اختراعات سائنس کے جن کا تعلق عقل کی تحقیق سے ہوتا ہے اور اس سے مادی ایجادیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ قوت

Marfat.com

اعجاز سے جو کام بلا سبب اور مادہ کے سیکنڈوں میں منصۂ شہود پر آتا ہے۔ سائنس کے ذریعہ وہ مادی صورت لے کر اسی کیفیت کے ساتھ سالوں یں بھی آنا غیر ممکن ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ناقص عقل قدرت الٰہیہ کے راز کو محیط ہو سکے۔ اور مقابلہ میں حقیقت کو پہنچ جائے۔ آؤ ہم ایک دو مثالوں سے واقعیت کا اظہار کرتے ہیں۔ جس سے سائنس اور معجزہ کی تھوڑی سی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ اور باسمجھ آدمی کسی نتیجہ کو اخذ کر سکے گا۔

عہدِ حاضر کو تہذیب و شائستگی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ علوم وفنون کی ترقی و عروج کا وقت ہے۔ یورپ و امریکہ وغیرہ کے کارناموں کو دیکھ کر سائنس کے شباب کا زمانہ بولا جا سکتا ہے پھر آجکل سائنس کے کمال دو چیزوں میں زیادہ تر دکھلائے بھی جا رہے ہیں۔ (خبر رسانی کا سلسلہ) اور (قطع مسافت) ہر دور دراز مقام پر جلد از جلد اور کم از کم اسباب کے ذریعہ خبر رسانی میں کامیابی کی سعی کی جا رہی ہے۔ عرصہ سے اہل عقل نے اپنی پوری قوت صرف کر کے ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کی صورت میں نتیجہ مرتب کر بھی لیا ہے۔ جن کی وجہ سے دنوں اور گھنٹوں کی ضرورت منٹوں اور سیکنڈوں پر آ کر منتہی ہو گئی ہے۔ مگر یہ کوشش صرف اسی کامیابی پر پہنچ کر ختم نہیں کر دی گئی۔ بلکہ وقت اور اسباب کے خرچ میں کچھ اور تخفیف کرنے کی فکر مادی دنیا کو لگی ہوئی تھی۔ جس کا ایک نتیجہ وائرلیس بھی ہماری سامنے ہے۔ جس نے مہذب دنیا کا نہ صرف بہت سا گراں قیمت وقت ضائع ہونے سے بچایا۔ بلکہ درمیان کے وہ تمام اسباب و آلات بھی جو اور برقی ذرائع میں لازمی تھے۔ بالکل بے ضرورت ثابت کر دیئے۔ علیٰ ہذا قطع مسافت کے لئے بھی جو جو سریع رفتار آلات ایجاد کئے گئے اور آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اہل دنیا کی موجودہ ترقی اور اس کے انہماک پر کافی روشنی کی دلیل سمجھے گئے ہیں۔ ریل، موٹر، بحری اور ہوائی جہاز سب سائنسدان طبقہ کی کامیاب جدوجہد کے شواہد ہیں۔ لیکن انسانی خیالات کی سطح ابھی کچھ اور بلندی کی مقتضی ہو رہی ہے اور صرف کرۂ ارض تک محدود رہ جانا اپنے ارادے کے لئے ایک بدنما دھبا تصور کرتی ہے۔ اس لئے کرۂ مریخ و قمر میں پہنچنے کی تدبیریں بھی شروع ہو گئی ہیں۔

Marfat.com

یہ ہے موجودہ سائنس کی ترقیوں کا مختصر تذکرہ جو آپ نے پڑھ لیا۔ اب نبی اخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم (بابا ئنا وامھاتنا) کے سائنس شکن معجزات اور مادیات سے کنارہ کش ہو کر جہانبانی کرنے کی تعلیم کو بھی مطالعہ کیجئے۔ جس کی شاہراہِ ہدایت بالکل واضح بالکل سادہ اور بالکل بے خطر ہے۔ جس میں انسان کو مادیات کا پابند نہیں بنایا گیا۔ بلکہ مادیات پر تصرف کرنا سکھایا گیا ہے۔ سائنس کو اس بات پر فخر ہے کہ میں نے مادیات کے استعمال کا نیا طریق ایجاد کیا ہے۔ لوہا، سونا، تانبا، پتھر، پیتل۔ پانی وغیرہم کو بہترین طور پر انسانوں کی ضرورت میں لایا ہوں۔ مگر معجزہ کا دعویٰ ہے کہ یہ چیز جس کو تو نے استعمال کا نرالا ڈھنگ نکال کر تفاخر کی ڈینگ ماری ہے میں ایسی کروڑ ہا اجناس طرفۃ العین میں خود پیدا کر سکتا ہوں۔ پھر کیا تماشہ ہے کہ لوہے کے استعمال کا ڈھنگ سوچنے والا اس کے بنانے والے کے مقابلہ میں آ کر فوقیت کی لاف مارے اور لوہا عطا کرنے والی ہستی ہی کو فراموش کر دے۔ مسلم کو قرآنِ کریم نے جو تعلیم دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں اس کو بندۂ اسباب ہونے کی زحمت سے بچایا گیا تھا۔ کیونکہ انسان مظہر قدرت ہے اس میں جب اپنے مولا کریم سے متعلق ہو کر کن فیکونی طاقتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ تو پھر اس کی زبان کا ایک کلمہ بغیر اسباب کے جہاں وہ چاہتا ہے پہنچ جاتا ہے۔ جیسے خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی آواز مدینہ طیبہ سے بغیر کی اسباب کی تلویث کے اٹھتی ہے اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو نہاوند کے پہاڑوں میں جنگ کے موقع پر پہنچتی ہے۔ منبر نبوی پر کھڑے ہوئے نہ ان کو کسی ٹیلی فون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ وہ تار گھر تک دوڑنے کی زحمت اٹھاتے ہیں۔ یہی حال قطع مسافت یا سامان بار برداری کا ہے۔ جس کو قرآنِ کریم نے اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ ہمارے ایک مقبول بندے سلیمان علیہ السلام کو تختِ بلقیس منگوانے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ درباریوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی ہے جو جلد از جلد تختِ بلقیس ملک سبا سے میرے دربار میں حاضر کرے تو ایک مردِ خدا عرض کرتا ہے کہ اتنے عرصہ میں ہزاروں ٹن کی چیز سینکڑوں کوس سے دربارِ نبوت میں حاضر

Marfat.com

کرتا ہوں کہ آپ آنکھ جھپکیں یا نگاہ پھیر کر دیکھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب نگاہ لوٹا کر دیکھا تو تخت بلقیس دربار میں حاضر تھا۔ کیا مادیات کے پابند اور بندگانِ اسباب اس قوت کے مقابلہ میں دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم اوجِ ترقی پر جا رہے ہیں۔ نہیں بلکہ اسلام نے جو قوتیں دنیا کو بخشی تھیں ان کو کھو کر تنزل کی جانب سفر کر رہی۔ اور آج بہت سے لوگ ایسے دکھائی دیتے ہیں جو اس جادہ پر گامزن ہونا غلطی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اور نہ اس انکار و اہمہ سے اسلام کے اصولوں کی خوبی و صدق میں کوئی خرابی پڑتی ہے۔ اس سے پہلے بھی خدا کی توحید کو تثلیث پرستوں یا تینتیس کروڑ معبودوں کے پرستاروں نے گندگیٔ شرک سے ملوث کرنا چاہا۔ مگر حق بین نگاہیں اسے ہو اللہ احد سمجھتی رہیں۔ ناعاقبت اندیش گروہ باوجود نبی الرحمۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باوجود کے مسیلمہ کے گرویدہ ہو گئے۔ مگر ان کی یہ گرویدگی نورِ الٰہی کی روشنی کو خیرہ نہ کر سکی۔ خاتم النبیین کی ہدایت کے ہوتے ہوئے بہتوں نے دعویٰ نبوت بھی کیا اور مذبذبین سے کچھ نہ کچھ اپنے ہم رنگ بنا بھی لئے مگر صداقت نے آخر ان کے اس فریب نظر کو توڑ ہی دیا۔ فرعون کے دعوائے خدائی سے خدا کی الوہیت میں کوئی بٹہ نہیں لگا۔ شداد نے نبی کی مخالفت کا وہ پھل پایا جو اس کو پانا چاہئے تھا۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی آج بھی دنیا میں اظہر من الشمس ہے۔ گو نمرود حسد کی آگ میں جلا کیا۔ آفتاب اپنی پوری ضیاء سے منور ہے گو شپرہ اس کے طلوع کو مکروہ اور ناخوش سمجھے۔ انوارِ رسالت ناقابل انکار ہیں ابوجہل مانے یا نہ مانے خدائے واحد ہمیشہ حی و قائم ہے چاہے تین سو ساٹھ بت بھی مدعیٔ خدائی ہوں۔ دین محمدی حق ہے۔ اگرچہ سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابوطالب میں پابند شرار ہو جائیں۔

ہدایت قرآنِ کریم کے دعویٰ کے مطابق ان متقین طبائع کے لئے ہے۔ جن میں فطرتاً گناہ سے پرہیز کا مادہ ہو۔ عمداً نہ سمجھنے والوں کو کون سمجھائے۔ سونے والوں کو جگانا آسان ہے مگر جاگتوں کو بیداری کی دعوت غیر مفید۔ اسلام کی تعلیم نہ پہلے بوسیدہ تھی نہ آج کہنہ ہے نہ پہلے نامکمل نہ آج محتاجِ تکمیل۔ بلکہ وہ آج سے چودہ سو سال قبل "اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ

85032

Marfat.com

دِیْنَکُمْ» کی سند لے چکا تھا۔ حضرت آدم سے اس کی ابتدا ہوئی اور حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تکمیل کر دی۔ ہاں جو ان کی اصلاح کو قبول نہ کرے وہ خود اصلاح کے قابل اور مستحق زجر و توبیخ ہے۔ حقیقتاً آج جو اسلام کی حالت زبوں بیان کی جاتی ہے وہ اسلام کی نہیں بلکہ اسلام کے جھوٹے دعویداروں کی ہے جس کا راز اس میں مضمر ہے کہ اسلام کے بتائے ہوئے اصول آج متروک ہیں اور اس کے فرمائے ہوئے قواعد پس پشت ڈال دیئے گئے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین اسلام اسلامیوں کی قومی مذہبی، ملکی و سیاسی تمام طاقتوں میں کمزوری کا احساس کرتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں اسلامیوں کی عملی غلطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں نابود کرنے کی غرض سے سینکڑوں مشنریاں اور ہزاروں سوسائٹیاں قائم ہوگئیں۔ مذہب کا نام لینا گناہ سمجھا کر سادہ لوح بچوں کے دماغوں پر بے دینی کا نقش بٹھایا گیا اور بالآخر لامذہب بنا کر روایات مذہب سے منحرف کر دیا گیا اور کم از کم یہ ہوا کہ ان کی مذہبی ہمدردی تمام مذاہب سے علیحدہ کر دی گئی۔ دینی علماء پر پھبتیاں کہی گئیں۔ ان کے لباس، ان کی ریش، ان کی گفتار و رفتار کے خاکے اڑا کر ایک وسیع لامذہبی کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس کے حدود اس طرح بیان کئے جا سکتے ہیں کہ ہم کسی کی بات کے پابند نہیں چاہے وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کیوں نہ ہو۔ مگر یورپ اور امریکہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ہم اسی بات کو مانیں گے جو سائنس سے ثابت ہو مگر شرط یہ ہے کہ اس کا قائل یورپین یا امریکن ہو۔ ہم ہر بات کو عقل عام (کومن سنس) سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ جس کی گواہی یورپ کے اخباروں سے مل سکے۔ بہر حال جب یہ دور ترقی ہوا تو مذہبی عمل روز بروز کم ہوتا گیا۔ اور نوبت یہ پہنچی کہ مسلمان ہیں مگر عیسائی سے امتیاز نہیں۔ ہندو ہیں مگر عدم موجود کا فرق نہیں۔ ادھر مذہبی نفرت کا یہ رنگ چڑھا ادھر ولایتی نظریات نے اپنا اثر کیا۔ مذہب سے ہٹ گئے اور موافق رفتارِ زمانہ پرانے مذہب میں ترمیم کر کے کسی نئے نبی کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ ایک نے تاج نبوت مرزائے قادیانی کے سر پر رکھا اور دوسرے نے آریہ سماج کی عقیدت لازم کر لی۔ یہ اس قوم کی تبلیغ تھی۔ جس نے اسلام کے

Marfat.com

قلع قمع کا تہیہ کر لیا تھا اور بہت کچھ صدمہ پہنچا چکی تھی۔ مگر نام نہاد مسلمان ہیں کہ وہ اسی قوم کے زیر اثر ہونے کو اپنی ملی زندگی کا جزو اعظم سمجھتے ہیں۔ کوئی تعجب نہیں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اہل حق کو اس عقلی تمیز کی بنا پر خوانخواستہ اس دن کا منتظر رہنا چاہئے۔ جب توحید و رسالت کے عقائد حقہ کو دلوں سے نکالنے کے لئے انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگایا جائے۔ اور ایک ہی جست میں مسجد سے نکل کر کلب گھر میں جا بیٹھیں۔ کیونکہ جن افراد و اقوام نے اپنے بزرگانِ سلف کے طرز عمل سے منہ موڑا اور مذہبی روایات کی صداقت کو توڑا ہے ان کا انجام کار یہی ہوا ہے۔ کیا قرآن پاک نے اس تنگبندی سے ہٹانے کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ ایسی ہزاروں قومیں جن کو اپنے اسباب پر ناز تھا۔ خدا نے تباہ کر کے بے نام ونشان کر دی ہیں۔ اور جس قوم میں مادہ پرستی کا شبہ بھی نہ تھا اپنے ایک ایک بندے کو حقیقت کی بنا پر بے شمار مادہ پرستوں پر غالب رکھا۔ ایک قوم حضرت صالح علیہ السلام سے نبوت کی دلیل یہ طلب کرتی ہے کہ اس پتھر سے اونٹنی پیدا ہو اور وہ پیدا ہوتے ہی بغیر کسی ہم جنس نر کے اختلالا کے بچہ جنے اور صالح علیہ السلام ایسا کر کے دکھا دیتے ہیں اور قوم اس اونٹنی کو مار ڈالنے کے عوض میں مستحق عذاب قرار دی جاتی ہے۔ کیا اہل عقل اس پر غور کے بعد اپنی مادہ پرستی کے ماتحت سوائے ہٹ اور انکار کے کچھ اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ کہ یہ طاقت قوی تر ہے یا وہ جو اس کو پا لینے کے بعد صرف یہ معلوم کر لے کہ اونٹنی دودھ بھی دیتی ہے اور یہ ہمارے کام کی چیز ہے۔ مسلمانوں کو ایسے الحاد سے بچنا چاہئے جو متاعِ ایمان کے لئے برقِ خاطف ثابت ہو۔ اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا مِنْ شُرُوْرِ الْمُلْحِدِیْنَ وَالْمُشْرِکِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

معجزہ اور اس کی حقیقت

ملائک کی نظر خیرہ ہے انوارِ صفاتی سے
وہ کیا جانیں قدم انسانِ کامل کا کہاں پہنچا

شاید بعض احباب کو ہمارے سابق بیان سے کچھ تردد پیدا ہو کہ نبی کا کام تو ہدایت و رہنمائی کرنا ہے۔ عالم میں یہ تصرفات اور معجزات جو بظاہر قانونِ قدرت کے خلاف ہیں کیا چیز ہیں۔ غالباً یہ پرانے خیالات ہیں جو ابتدائے عمر سے سنتے سنتے دلوں میں راسخ ہو گئے ہیں کہ ان کا منکر کافر شمار کیا جاتا رہا ہے۔ اور آج کل کے اہل یورپ جن کی تحقیق کے سامنے افلاطون اور ارسطو طفلِ مکتب ہیں ان پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں۔

اس لئے مجھے یہاں اس بات کی بھی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ معجزہ کیا چیز ہے اور وہ ممکن بھی ہے کہ نہیں اور نبی سے کس حکمت کے لئے صادر ہوتا ہے اور نبی کی نبوت کی تصدیق کر سکتا ہے یا نہیں بیان کر دوں۔ سو معلوم کیجئے کہ معجزہ وہ خلافِ عادت عمل ہے جو کسی نبی کے صدق کی دلیل ہو اور اس کے تبلیغی اصولوں میں سے کسی اصل کے منافی نہ ہو۔ جو چیز کہ خلافِ عادت اور خلافِ قانون قدرت یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسباب عادیہ پر مبنی ہو کسی شخص سے سرزد ہو تو اس کو خارق عادت کہتے ہیں۔ مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دور ہوتی ہے یا درخت اور پتھر اور حیوانات گائے بھینس اونٹ گدھا وغیرہ انسان سے کلام نہیں کرتے کوئی درخت یا پتھر کسی کے بلانے سے بحرکت ارادیہ نہیں آ سکتا یا کوئی شخص دریا کے پانی پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا۔ یا ایک آدمی کا کھانا سینکڑوں آدمیوں کو شکم سیر نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی شخص ایک مٹھی خاک سے ہزاروں آدمیوں کو اندھا یا ہلاک کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ پس جو کوئی آدمی ایسا کر دے تو یہ کام اس کا خارق عادت ہوگا اب یہاں سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جو کام بذریعہ آلات و اسباب

Marfat.com

ہوں۔ خواہ وہ اسباب مخفی ہوں یا ظاہر۔ جیسا دوا سے بیمار کا تندرست ہونا۔ کشتی کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرنا خارق عادت نہیں۔ پھر یہ خارق عادت اگر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ کہ مخالف کو اس کے مثل کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے۔ اب خواہ مدعی نبوت سے یہ معجزہ ایک معمولی طور سے قبلِ نبوت صادر ہو یا اس وقت نبوت کا دعویٰ بھی ساتھ ہو۔ اگر یہ خارقِ عادت نبی کے پیرو سے ثابت وصادر ہو اگر وہ ولی ہے تو اس کو کرامت کہتے ہیں اور اگر غیر ولی مومن صالح سے صادر ہو تو اس کو معاونت کہتے ہیں اور جو نبی سے قبل نبوت سرزد ہو تو اس کو ارہاص کہتے ہیں اور اگر کوئی ایسی بات کسی بُرے شخص سے صادر ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ خدا کی رحمت عامہ کا مقتضٰی یہ ہے کہ وہ نبی کے ذریعہ اپنی مخلوق کو اپنے راز سے بہرہ مند کرے اور اس سے عام لوگوں کو نفع پہنچائے۔ جو لوگ طبیعت سلیم رکھتے ہیں وہ تو اس نبی کو اس طرح پہچان جاتے ہیں۔ جس طرح بچہ بغیر کسی کے کہے سنے اور رغبت دلائے کے ماں باپ کو جان جاتا ہے۔ پس جو ہستی مبدءِ ولادت میں بچہ کو ماں کی چھاتیاں بتلا دیتی ہے وہی لوگوں کو مربی روحانی (نبی) کی خبر دیتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کی طبائع میں کچھ کجی ہوتی ہے۔ بغیر کسی علامت دیکھنے کے تصدیق نہیں کرتے۔ جیسا کہ بعض بیمار دوا کو بغیر شیرینی ملائے نہیں پی سکتے۔ پس جس طرح مہربان طبیب اس میں شیرینی ملا دیتا ہے تاکہ مریض اپنی صحت کے لئے دوا کو قبول کرلے۔ اسی طرح وہ حکیم و رحیم خدا بھی نبی کے ہاتھ کوئی امر خارقِ عادت کہ جس کو معجزہ کہتے ہیں ان کی تصدیق کے لئے صادر کراتا ہے اور اس معجزہ سے بہت سے فوائد ظاہر کرنے مقصود ہوتے ہیں مثلاً (۱) منکرین کو نبی کی تصدیق نصیب ہو جاتی ہے (۲) غالباً وہ معجزہ فی نفسہٖ کوئی خیر اور عام فائدہ کی چیز ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی انگشتانِ مبارک سے پانی جاری کر کے ایک جم غفیر کو اس پانی سے سیراب کرنا۔ پھر لوگوں کے دلوں میں اس سے نور پیدا ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بغیر کسی پل کے بنی اسرائیل کو سمندر یا دریا سے پار اُتار کر

Marfat.com

موذی فرعون کے مظالم سے نجات دینا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مائدہ سے لوگوں کو تقویت دینا (۳) معجزہ سے مومنوں کا یقین اور زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ (۴) خدا اور اس کے رسول کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ معجزہ کو آیت کہتے ہیں۔ جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔ (۵) کبھی منکروں کی تہدید اور تعذیب اس معجزہ سے مقصود ہوتی ہے کہ جس سے اور لوگ عبرت حاصل کریں۔ گو ان کے حق میں ایسا معجزہ قہر الٰہی ہوتا ہے۔ مگر اوروں کے لئے رحمت الٰہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا سے صورتوں کا مسخ ہو جانا یا ایک مٹھی کنکریوں سے صدہا لوگوں کی آنکھیں بند ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور بیشمار مصلحتیں ہوتی ہیں جن کو وہ علیم وحکیم ہی خوب جانتا ہے۔

بعض فلسفیوں نے معجزہ کے متعلق بزورِ فلسفہ مخالف کلام کیا ہے۔ اور تاویلات رقیقہ کے ذریعہ سے قرآن اور مسلمانوں کی کتابوں سے استدلال کر کے انکار کی صورت نکالی ہے جو سراسر ملمع کاری ہے۔ مسلمانوں میں پابند فلسفہ قدیمہ ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جس کو معتزلہ کہا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک قرآن کی یہی بڑی خدمت تھی کہ وہ قرآن اور حدیث کو تاویلات کے ذریعے سے فلسفۂ یونانی کے موافق کیا کرتے تھے اور جہاں موافقت نہ ہو سکتی تھی وہاں اس حدیث کا انکار کر دیتے تھے۔ یہ اس لئے کہ اس وقت کا فلسفہ ان کے نزدیک حق ثابت ہو گیا تھا۔ پھر ایسا کرنے سے اسلام فلسفہ کی ٹکر سے محفوظ رہتا تھا۔ ورنہ ان کے نزدیک چور چور ہو جاتا۔ جیسا کہ آج کل ہندوستان (پاک و ہند) کے بھی بعض مسلمان فلسفۂ حال کے مطابق وہی طرزِ عمل اختیار کئے ہوئے ہیں۔ مگر متقدمین اسلام نے جماعتِ معتزلہ کی تمام کوشش کو بےکار جانا اور بڑی حقارت کی نظر سے ٹھکرا دیا۔ جس کا نتیجہ آج سمجھ میں آتا ہے کہ انہوں نے خوب کیا تھا۔ کیونکہ جب پرانے فلسفہ کا آج کے نئے فلسفے کی ٹکر سے چورا ہو گیا ہے۔ تو اس کے ساتھ اسلام کا بھی آج چورا ہو جاتا۔ اسی طرح موجودہ فلسفہ کا اگر آگے چل کر غلط ہونا ثابت ہو گیا اور ہو گا اور ہوتا جاتا ہے تو پھر اس کے مطابق اسلام کا کیا حشر ہو گا۔ لہٰذا معجزہ دوسرے معنوں میں بے ایمانوں کا ایمان ہے جس

Marfat.com

کو دیکھنے کے بعد منکرین مبہوت اور لاجواب ہو جاتے ہیں اور یہ قوت قریباً قریباً تمام انبیاء علیہم السلام نے منکرین کے سامنے ان کی طلب پر یا بلا طلب استعمال کی ہے۔ جس سے ان کی دعوت کو زیادہ قلوب میں قبولیت کا موقع ملا ہے اور یہ حقیقت بھی معجزہ کے اظہار سے منکرین پر کھل گئی کہ رسالت کا مدعی رسول ہے۔ پس جس شخص نیک عادت ہادی سیرت نے نبوت کا دعویٰ کر کے معجزہ دکھا دیا خواہ اسی وقت یا بعد اس کے یا تعلیم امت کے یا اور وقت میں بلاشک وشبہ یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ یہ شخص مدعی نبوت بنی ہے۔ الغرض عہدۂ نبوت کی تصدیق کے واسطے معجزہ فرمانِ خداوندی ہے۔ کہ جس کے دیکھتے ہی قلوب اس کی طرف اس طرح کھینچے آتے ہیں جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف۔ اب جو شخص برخلاف مشاہدہ اس جذب مقناطیس کا انکار کرے وہ کج فہم ہی نہیں بلکہ ضدی ہے۔ سرکار دوعالم تاجدارِ کائنات فخر موجودات سیّد الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے شمار معجزات اسی غرض وغایت کے ماتحت ظہور میں آئے۔ جن کا یہاں ذکر کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ اس لئے ہم اس امر کو ثابت کرنے کے بعد کہ معجزہ کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ آئندہ باب میں تبرکاً چند معجزات کا ذکر کر کے مفصل طور پر صرف ایک معجزہ جو حضور کی بزرگی و عظمت کا اہم نشان ہے۔ ذکر کرتے ہیں۔ جس سے جسمانیت کے معراج اور روحانیت کے معراج کی حقیقت عیاں ہو جائے۔ وباللہ التوفیق۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

معجزات سیّد انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم

لَوْلَمْ تَكُنْ فِيهِ اٰيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ
لَكَانَ مَنْظَرُهُ يُنَبِّئُكَ بِالْخَيْرِ

قارئین سے یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ فقیر نے اس کتاب کے لکھنے میں ان اہل اسلام کے لئے سعی کی ہے جو سیّد کائنات فخر موجودات افضل المرسلین، رحمۃ اللعلمین میرے مولا و آقا احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح ایمان رکھتے ہوں اور آپ کے تمام فضائل و معجزات کے انہی خوبیوں کے ساتھ قائل ہوں۔ جن سے حضورِ پُر نور تشریف لائے۔ ہر وہ شخص جو نبوت کا منکر ہو اور معجزات میں طعنہ کرتا ہو وہ اس کا اہل نہیں کیونکہ یہ صدیقین و عاشقین کا حصہ ہے۔ ملحد اس کی اصل کو نہیں پا سکتا اور معترض و نکتہ چین کا وہاں تک پہنچنا محال ہے۔ اہلِ محبت ہی اس سے نفع اٹھائیں گے جو سرور عالم کی دعوت پر بلا چون و چرا لبیک کہنے والے ہیں۔ اس کے پڑھنے سے ان کے اعمال صالح میں زیادتی ہوگی اور عقائد حقہ کی بنیاد لاجنب ہو جائے گی۔ جس میں وسوسہ کو گزر نہ ہوگا۔ تصدیق نبوتِ تامہ کر کے اپنے ایمان پر اور ایمان کو زیادہ کریں گے۔ فقیر کا خیال ہے کہ اس باب میں سردارِ دو جہان کے بڑے بڑے معجزے اور مشہور نشانات بیان کرے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور کی بلندیٔ مراتب و اتمامِ نبوت پر دال ہوں نیز یہ امر بھی جاننے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے دلوں میں نور معرفت پیدا کرے۔ ان کو اپنی ذات وصفات کا بغیر کسی واسطہ کے اگر چاہے تو عالم بنا دے جیسا کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اس کی سنت کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض اہل تفسیر خدا تعالیٰ جل وعلا شانہٗ کے اس قول میں۔ کہ کسی انسان کو جائز نہیں کہ اس سے بدوں وحی کلام کرے۔ یہ ذکر کیا ہے۔ یہ بات جائز ہے کہ ان کی طرف یہ تمام علوم کسی واسطہ اور ذریعہ سے پہنچا دے اور یہ واسطہ یا تو انسان کے سوا ہو۔ جیسے

Marfat.com

فرشتے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یا انہیں کے ہم جنس ہو جیسے انبیاء علیہم السلام امتوں کے ساتھ ہیں۔ اور اس امر کے لئے کوئی عقلی دلیل مانع نہیں۔ اور جب یہ جائز ہے اور محال نہیں کہ رسول وہ معجزات لائے ہیں۔ جو ان کے صدق پر دلالت کرتے ہیں۔ تو ان کی تصدیق ان سب امور میں جن کو وہ لائے ہیں واجب ہے۔ لہٰذا یہاں مختلف النوع چند معجزات اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھے جاتے ہیں۔ وہ قادرِ مطلق توفیق اعمالِ صالحہ وعقیدتِ حقہ رفیق فرمائے۔ آمین۔

(۱) جامع بن شدّاد کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص جس کو طارق کہتے تھے۔ اس نے خبر دی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی شئے (جانور) ہے جس کو تم بیچتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ اونٹ ہے۔ فرمایا کتنے دام سے بیچو گے۔ ہم نے کہا اس قدر کھجوروں کے وسق سے (وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) تب آپ نے اس کی مہار پکڑ لی اور مدینہ کی طرف چلے آئے۔ ہم نے کہا کہ ہم نے ایک ایسے شخص کے پاس یہ اونٹ بیچا ہے۔ جس کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔ ہمارے ساتھ ایک مسافر عورت تھی۔ اس نے کہا کہ میں اس اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں۔ میں نے اس مرد کا چہرہ بدر سا چہرہ دیکھا ہے۔ وہ تم سے دھوکا نہ کرے گا۔ پھر جب ہم نے صبح کی تو ایک شخص کھجوریں لے کر آ گیا اور کہنے لگا کہ میں رسول اللہ کا ایلچی ہوں۔ تمہارے پاس آیا ہوں۔ وہ حکم فرماتے ہیں کہ یہ کھجوریں کھاؤ اور ان کو ناپ لو۔ حتیٰ کہ پورے دام کر لو۔ تب ہم نے ان کو ناپ لیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا چہرۂ انور ہی صداقت کی دلیل تھا۔

(۲) ابو عبیدہ نے ذکر کیا کہ ایک اعرابی نے ایک شخص سے سنا کہ وہ یہ آیت پڑھ رہا ہے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ یعنی آپ حکم کو کھلا کھلا سنائیں۔ تو اس نے سجدہ کیا اور کہنے لگا کہ میں اس کی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں۔ عتبہ بن ربیعہ نے جب قرآن سنا تو کہا اے میری قوم تم جانتے ہو کہ میں نے کوئی چیز نہیں چھوڑی مگر اس کو جانا ہے اور پڑھا

Marfat.com

ہے۔ واللہ میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ کبھی ایسا نہیں سنا۔ نہ وہ شعر ہے نہ وہ جادو ہے۔ نہ کہانت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی کتاب ایسی فصیح ہے۔ جس کو بطریقِ معجزہ اہل زبان بھی سجدہ کرتے تھے۔

(۳) ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا تو پہاڑ پر تھا اور ایک اس کے درے یا مقابل ہو گیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ رہو۔ یعنی دیکھ لو۔ مروقؔ نے روایت کیا کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا اور زیادہ کیا یہ جملہ کہ کفارِ قریش نے کہا کہ تم پر ابن ابی کبشہ نے جادو کیا ہے ایک شخص نے کہا اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند پر جادو کیا ہے تو اس کا جادو اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ تمام زمین پر جادو کیا ہو۔ تم دوسرے شہروں کے آنے والوں سے دریافت کرو۔ کہ کیا انہوں نے یہ دیکھا ہے پھر دوسرے شہروں کے لوگ آئے تو انہوں نے ان سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے ایسا ہی دیکھا ہے۔

(۴) اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے حال میں وحی نازل ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں آپ کا سر مبارک تھا۔ انہوں نے عصر کی نماز نہ پڑھی۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی کیا تم نے نماز پڑھی۔ عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ خداوندا بیشک وہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ اب آفتاب لوٹا دے۔ اسماء کہتی ہیں کہ میں نے اس کو غروب ہوتے دیکھا تھا۔ پھر میں نے اس کو دیکھا کہ وہ غروب کے بعد نکل آیا ہے اور پہاڑوں اور زمین پر ٹھہر گیا ہے اور یہ واقعہ خیبر کے قلعہ صہبا میں ہوا تھا۔

(۵) یونس بن بکیر نے زیادۃ المغازی میں ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور آپ نے اپنی قوم کو قافلہ کی خبر اور اونٹوں کی علامت

Marfat.com

بتلائی تو کہنے لگے وہ کب آئے گا۔ آپ نے فرمایا کہ بدھ کے دن آئے گا۔ جب وہ دن آیا تو قریش انتظار کرنے لگے اور دن ختم ہونے لگا اور قافلہ نہ آیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تو ایک گھڑی دن بڑھایا گیا اور آفتاب ٹھہر گیا۔

ان تینوں روایتوں سے حضور علیہ السلام کے آسمانی تصرف اور معجزات کے کمال کا پتہ چلتا ہے۔

(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے حال میں دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا ہے تو لوگوں نے پانی کی تلاش کی تو نہ پایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک برتن لایا گیا۔ جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ تب آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس برتن میں رکھا۔ اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں۔ انس فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں مبارک میں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے۔ لوگوں نے اس سے وضو کیا۔ یہاں تک کہ ان کے آخر نے بھی کر لیا۔ اس حدیث کو قتادہ نے بھی انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسا برتن لائے جس میں پانی تھوڑا سا تھا اور آپ کی انگلیوں کو نہ ڈھانکتا تھا۔ قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم کتنے لوگ تھے۔ کہا کہ تین سو کی قدر تھے۔

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا آپ نے اس سے وضو فرمایا۔ لوگ آپ کے سامنے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہمارے پاس پانی نہیں۔ صرف وہی پانی ہے۔ جو حضور کے لوٹے میں ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک برتن میں ڈالا۔ اور آپ کی انگلیوں مبارک سے پانی چشموں کی طرح نکلنے لگا۔ ہم پندرہ سو آدمی تھے۔ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے وہ کافی تھا۔

ان دونوں روایتوں سے آپ کی برکت سے پانی کا زیادہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۸) امام مالک نے موطاء میں حضرت معاذ بن جبل سے غزوہ تبوک کے قصہ میں روایت کیا ہے کہ صحابہ چشمہ پر اترے بحالیکہ وہ تھوڑا تھوڑا جاری تھا جیسے کہ جوتی کا تسمہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اس کو ایک برتن میں چلو بھر بھر کر جمع کر لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا منہ اور ہاتھ دھویا۔ اور اس چشمہ میں ڈال دیا۔ تب اس میں سے بہت سا پانی جاری ہو گیا۔ اور لوگوں نے پانی پی لیا۔ حدیث ابن اسحاق میں معاذ فرماتے ہیں کہ پھر پانی اس قدر نکلا کہ اس کی آواز بادلوں کے گرجنے کی سی تھی۔ پھر فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی ہوئی۔ تو یہاں پر تم دیکھو گے کہ تمام باغات بھرے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے چھونے سے پانی میں برکت اور کثرت ہو جایا کرتی تھی۔

(۹) خندق کے دن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع جو اور بکری کے ایک بچے میں ایک ہزار مرد کو کھانا کھلا دیا۔ اور جابر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم بیشک سب نے کھا لیا۔ یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دیا اور چلے آئے بحالیکہ ہماری ہنڈیا ویسے ہی جوش مارتی تھی اور ہمارا آٹا پکایا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹے اور ہنڈیا میں لعابِ دہن مبارک ڈالا تھا۔

(۱۰) ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے کھانا اس قدر تیار کیا کہ دونوں کو کافی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اشراف انصار میں سے تیس (۳۰) آدمیوں کو بلا لو۔ پھر اس نے بلا لیا۔ پھر وہ کھا گئے۔ یہاں تک کہ چھوڑ گئے۔ پھر فرمایا کہ ساٹھ (۶۰) مردوں کو بلاؤ پھر ایسا ہی ہوا۔ پھر فرمایا کہ ستر (۷۰) آدمیوں کو بلاؤ۔ سب نے کھا لیا۔ یہاں تک کہ چھوڑ دیا۔ اور ان میں سے جو نکلا اسلام لایا اور بیعت کی۔

ابو ایوب فرماتے ہیں کہ میرے کھانے میں سے ایک سو ۱۸۰ مردوں نے کھایا۔

(۱۱) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

ساتھ تعداد میں ایک سوتیں آدمی تھے۔ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک صاع یعنی چار سیر آٹا گوندھا گیا تھا۔ اور ایک بکری ذبح کی گئی تھی۔ پھر اس کی کلیجی بھونی گئی۔ راوی کہتا ہے خدا کی قسم کہ ان ایک سوتین مردوں میں سے ہر ایک نے اس کو چھری سے کاٹ لیا پھر اس کے گوشت سے دو کڑے بھر لئے۔ پھر ہم سب نے کھایا۔ اور دونوں کڑوں میں بچ رہا۔ پھر میں نے اس کو اونٹ پر لاد دیا۔ اس قدر بچ رہا تھا۔

ان روایتوں سے آپ کی برکت کے سبب تھوڑے کھانے کا زیادہ ہونا ملتا ہے

(۱۲) اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو بھوک نے تنگ کیا۔ تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا کچھ کھانے کی چیز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں کچھ کھجوریں توشہ دان میں ہیں آپ نے فرمایا کہ میرے پاس لا۔ پھر آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا اور ایک مٹھی نکالی اور اس کو پھیلا دیا برکت کی دعا مانگی۔ پھر فرمایا کہ دس مردوں کو بلاؤ۔ وہ کھا گئے۔ حتیٰ کہ ان کا پیٹ بھر گیا پھر اسی طرح دس آئے۔ حتیٰ کہ تمام لشکر کو کھلایا اور سب کے سب سیر ہو گئے۔ پھر فرمایا جو تو لایا تھا اس کو لے اور اپنے ہاتھ کو ڈال کر نکال لیا کرو۔ اور اس توشہ دان کو اٹھانا نہیں۔ پھر میں نے اس سے زیادہ قبضہ کیا جتنا کہ میں لایا تھا میں نے اس میں سے کھایا اور کھلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دنوں میں یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ پھر وہ فتنہ عثمان میں مجھ سے لوٹ لیا گیا اور جاتا رہا۔

۱۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک اعرابی آپ کے قریب آیا۔ آپ نے فرمایا تم کہاں کا ارادہ رکھتے ہو کہا کہ میں اپنے گھر جاتا ہوں۔ فرمایا کہ کیا نیکی کی طرف آنا چاہتا ہے۔ عرض کیا وہ کیا ہے۔ فرمایا کہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اس نے کہا

Marfat.com

آپ کے اس کہنے کی کون تصدیق کرتا ہے۔فرمایا کہ یہ ببول کا درخت۔ وہ جنگل کے کنارے میں تھا۔تب وہ درخت زمین چیرتا ہوا آیا۔حتیٰ کہ آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے اس سے تین مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھوایا۔اور اس نے ایسے ہی گواہی دی۔جیسے کہ آپ نے فرمایا تھا۔پھر وہ اپنے مکان کی جانب لوٹ گیا۔

(۱۴) بریدہ رضی اللہ عنہ سے روات ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم ہی اس درخت سے کہو کہ تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔کہا کہ درخت دائیں بائیں سامنے اور پیچھے سے جھکا۔اس کی جڑیں جو زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔کھوکھلی ہو گئیں۔پھر وہ زمین کو چیرتا ہوا آیا۔وہ اپنی شاخوں کو کھینچتا آتا تھا اور جلد آ رہا تھا۔حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔اور کہنے لگا۔اسلام علیک یا رسول اللہ اعرابی نے کہا کہ آپ اس کو حکم دیں کہ اپنے مقام کی طرف چلا جائے۔چنانچہ وہ لوٹ گیا۔اور اس کی جڑیں زمین میں پیوست ہو گئیں۔اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔تب اعرابی نے کہا آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو البتہ عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔کہا کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دوں تو اس کی آپ نے اجازت دے دی۔

اس حدیث سے حضور کے بلانے پر درختوں کا آنا اور نبوت کی گواہی دینا۔عورت کو خاوند کی عزت کرنا اور ہاتھ پاؤں کو کسی بزرگ کے بوسہ دینا ثابت ہوا۔

(۱۵) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔کہ مسجد نبوی کھجور کے ستونوں پر چھتی ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھا کرتے تو ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہوا کرتے تھے۔جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا۔تو ہم نے اس ستون سے ایسی رونے کی آواز سنی۔جیسے کہ اونٹنی بچہ جننے کے وقت روتی ہے۔انس رضی اللہ عنہ کی روایت

Marfat.com

میں ہے کہ اس کے رونے سے مسجد میں شور مچ گیا۔ اُبی کی روایت میں ہے کہ روتے روتے پھٹ گیا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور اپنا ہاتھ مبارک اس پر رکھا تو وہ چپ ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو وہ منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ حدیث بریدہ میں ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اگر تو چاہے تو اسی باغ میں جہاں تو اگا تھا لگا دوں۔ جس میں تیری شاخیں نکلیں گی تیری تربیت پوری ہو گی۔ تجھے نئے پتے اور پھل لگیں گے۔ اور اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں گاڑ دوں اور اس میں اولیاء اللہ تیرا پھل کھایا کریں گے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جوب کان لگا کر سنا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے جنت میں گاڑ دیں۔ جہاں مجھ سے اولیاء اللہ پھل کھایا کریں۔ اور میں ایسے مکان میں ہوں گا جہاں پرانا نہیں ہوں گا۔ اور اس جواب کو پاس والوں نے بھی سنا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بے شک یہ کر دیا۔

اس حدیث سے خشک لکڑی کا حضور کے عشق میں رونا۔ باتیں کرنا۔ اور جنت میں حضور کی طفیل پہنچنا آیا ہے۔

(۱۶) جابر ابن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ بعض نے بیان کیا کہ وہ حجرِ اسود ہے۔

(۱۷) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرائیل (علیہ السلام) میرے پاس پیغام رسالت لے کر آئے تو میں جس پتھر یا درخت پر گزرتا وہ السلام علیک یا رسول اللہ کہتا۔

(۱۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ احد پہاڑ پر چڑھے تو اس نے حرکت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اے احد ٹھہر جا۔ کیونکہ تجھ پر نبی۔ صدیق اور شہد ہیں۔

ان حدیثوں سے جمادات کا آپ سے کلام کرنا۔ تسبیح پڑھنا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کی صداقت۔ عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کا ذکر ہے جس کا آپ کو علم تھا۔

(۱۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ ناگاہ ایک اعرابی آیا۔ جس نے گوہ شکار کی تھی۔ اس نے کہا کہ یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھ کو لات وعزا کی قسم ہے۔ میں اس پر ایمان نہیں لاؤں گا مگر جب کہ یہ گوہ آپ پر ایمان لائے۔ اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ اے گوہ۔ اس نے صاف لفظوں میں آپ کو جواب دیا جس کو تمام لوگوں نے سن لیا کہ میں حاضر ہوں اے زینت ان لوگوں کی جو قیامت کی طرف آنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کس کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ اس خدا کی کہ آسمان میں اس کا عرش ہے۔ زمین میں اس کی حکومت ہے سمندر میں اس کا راستہ ہے۔ جنت میں اس کی رحمت ہے۔ دوزخ میں اس کا عذاب ہے آپ نے فرمایا کہ میں کون ہوں اس نے عرض کیا کہ آپ رب العالمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ بے شک وہ شخص کامیاب ہوا۔ جس نے آپ کی تصدیق کی اور وہ ناکام رہا جس نے آپ کی تکذیب کی۔ تب وہ اعرابی مسلمان ہو گیا اور اسی طرح حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری میں بھیڑیے کے کلام کا مشہور قصہ ہے۔

(۲۰) ابراہیم رضی اللہ عنہ بن حماد سے بسند روایت ہے کہا یک گدھے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جبکہ اس کو خیبر میں پایا تھا کلام کیا۔ آپ نے اس کو فرمایا تھا کہ تیرا کیا نام ہے اس نے کہا تھا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ پھر آپ نے اس کا نام یعفور رکھا۔ اور آپ اس کو اپنے اصحاب کے گھروں کی طرف روانہ فرمایا کرتے تھے تاکہ وہ ان کو بلا لائے۔ تو وہ ان کے دروازے اپنے سر سے کھٹکھٹایا کرتا تھا۔ اور ان کو بلایا کرتا تھا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ رنج وغم کے مارے کنوئیں میں گر کر مر گیا۔ اسی طرح ایک اونٹنی کی حدیث بھی آئی

Marfat.com

ہے۔ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص پر گواہی دی تھی کہ اس نے اس کو چرایا نہیں بلکہ وہ اس کی ملک ہے۔

(۲۱) ایک حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں آپ نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنے گھوڑے سے فرمایا۔ کہ خدا تجھے برکت دے جب تک ہم نماز سے فارغ نہ ہو جائیں۔ جائیو مت۔ اور اس کو اپنا سترہ بنایا۔ اس نے اپنا کوئی عضو نہ ہلایا۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔

ان تمام احادیث سے اور ان کے علاوہ بیشمار حدیثیں ایسی ہیں جن میں ہزار ہا معجزات کا ذکر ہے۔ جس سے کائنات کی تمام چیزوں کا گواہی دینا۔ مردوں کا زندہ ہونا۔ شیر خوار بچوں کا کلام کرنا۔ بیماروں کا صحت پانا۔ غیوب پر آگاہ ہونا اور دیگر کرامات و برکات کا تذکرہ ہے۔ جس پر اکابرین امت کا اجماع ہے۔ بخوف طوالت یہاں پر درج نہیں کی گئیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

ترجمہ آیت معراج شریف

بساطِ قربِ ایزد ہے مقام سیّد بطحٰے
کہ شاہد اس پہ ہے تفسیر سبحان الذی اسراء

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر ○

(ترجمہ لفظی)

پاک ہے وہ ذات (اللہ تعالیٰ) کی جس نے سیر کرائی یا لے گیا بندے اپنے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات کے بعض حصہ میں مسجد حرام کعبہ سے مسجد اقصیٰ بیت المقدس کو وہ کہ برکت دی ہم نے اس کے گردونواح کو تا کہ ہم دکھلا دیں اس کو اپنی نشانیوں سے وہی خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔...... مختصر تشریح قابلِ فہم ...... واضح ہو کہ سُبْحٰنَ میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ عربی علم صرف کی راہ سے کیا صیغہ ہے بعض نے اس کو علم بھی گمان کیا ہے اور وجہ اس کی اَلَّذِیْ کی جانب صفت کی نظر کر کے ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سُبْحٰنَ باب تفعیل کا مصدر بھی آتا ہے اور اسم مصدر بھی ہوتا ہے اور ہر حال میں وہ علم جنسی واسطے تنزیہ وتقدس کے ہے اور مراد اس سے ہر نقص و برائی سے اظہار پاکیزگی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ نہیں کہ پاک کرنے سے اس میں پاکیزگی ہو۔ شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ جن کلمات سے بندے سے تسبیح واقع ہوتی ہے۔ ان کا علم ہے۔ بالجملہ یہ لفظ کمال پاکیزگی بدرجہ انتہا پر دلالت کرنے سے فقط اللہ تعالیٰ کے واسطے مخصوص ہو گیا ہے۔ تو ترجمہ یوں ہوا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو۔ اسریٰ اوّل شب یا شب کی رفتا کو کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ اسریٰ کے معنے رات میں لے جانے کے ہیں۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسریٰ بمعنے سیر لیا ہے۔ جیسا کہ پہلے ترجمہ میں ذکر ہوا۔ بِعَبْدِہٖ علماء امت کا اس میں اجماع ہے اور کسی فرقہ یا فرد کا اختلاف

Marfat.com

نہیں کہ اس مقام پر عبد سے مراد سیّد المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اہل علم نے فرمایا کہ عبودیت اعلیٰ مقام ہے کیونکہ اگر عبد سے زیادہ مکرم کوئی اسم ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس مقام پر وہ ارشاد فرماتا۔ پس رسول و نبی سے زیادہ اشرف یہاں عبد کو فرمایا۔ اہل الحق یعنی اولیاء اللہ و مشائخین نے اس پر بالاتفاق تصریح فرمائی ہے کہ الوہیت و ربوبیت میں یکتا ذات اللہ واحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اور عبودیت میں فرد ذات بابرکات سیّد کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اور آپ سے بعد تمام انبیاء ہیں۔ پس انبیاء میں سے بھی جس کی عبودیت میں باقی سب سے کم نقص ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے درجہ پر ہے اور ظاہراً وہ بقول اہل اللہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اسی طرح درجہ بدرجہ مراتب انبیاء ہیں۔ مشائخین فرماتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک ولی عبودیت میں بقدم آنحضرت سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ اس کو قطب و غوث پکارا جاتا ہے اور باقی اولیاء اللہ دیگر انبیاء کرام علیہم التحیہ والسلام کے قدم پر ہوتے ہیں۔ وہ تمام تر اس ایک غوث کے تابع ہوتے ہیں۔ بالجملہ مرتبہ عبودیت اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اور اسی لفظ سے آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا لیلۃ المعراج میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک مع الجسد جانا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ عبد روح اور جسم کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔ اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر جانا۔ گونا گوں عجائبات و آیات الٰہی کا آنکھوں سے ملاحظہ فرمانا۔ سدرۃ المنتہیٰ میں پہنچنا اس امر کو واضح کرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شبِ معراج جو کچھ دیکھا ظاہری آنکھ سے دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہؓ تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین اور صوفیاء کرام کا یہی مذہب ہے۔ کہ معراج جسم اطہر والطف کے ساتھ ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔ وکان ھذہ الا سرابجسمہ الشریف ولو کان الاسراء بروحہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و یکون رویاء راھایری النائم فی نومہٖ ماانکرہ احد من قریش ولا نازعۃ فیہ و انما انکروا علیہ کو نہ اعلمھم ان الاسراء کان بجسمہ الشریف فی تلک المواطن التی دخلھا کلھا۔

Marfat.com

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج شریف جسم کے ساتھ ہوا ہے۔ اگر روح کے ساتھ ہوتا یا خواب اور نیند میں ہوتا تو کفار اس سے انکار نہ کرتے اور نہ جھگڑا کرتے۔ یہ جھگڑا اس لئے کیا گیا تھا کہ آپ نے ان کو جسمی معراج کی خبر دی تھی۔ اور ان مقامات کی خبر دی تھی۔ جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے تھے۔ آئیندہ ہم انشاء اللہ اس کی وضاحت کریں گے۔ وباللہ التوفیق۔

لیلاً۔ (رات میں) بطریق تجرید یا توضیح ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ اپنے پاؤں سے چلا، یا منہ سے بات کرو، حالانکہ چلنا ہمیشہ پاؤں سے ہی ہوتا ہے اور بات کا کرنا منہ سے۔ لَیۡلًا کو نکرہ فرمایا کہ اس سے تقلیل کا فائدہ پہنچے۔ یعنی فرمایا کہ پوری رات بھر نہیں بلکہ رات کی تھوڑی مدت میں یہ واقع ہوا۔ کوئی اس کو تمام رات کی سیر نہ سمجھ لے۔ اور صاحب کشاف نے اس کی تائید میں قرأت بعض سلف کی پیش کی ہے جنہوں نے لَیۡلًا کی بجائے مِنَ اَللَّیۡل پڑھا۔ یعنی رات کے تھوڑے حصہ میں واقع معراج ہوا۔ بہر حال معنے یہ ہوں گے کہ پاک ہے وہ خدا ہر نقص و برائی سے جو اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے بعض حصہ میں لے گیا من المسجد الحرام۔ مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ اور اس کے اردگرد کی جگہ (جو حرم میں داخل ہے) سے الی المسجد الاقصیٰ۔ مسجد اقصیٰ تک جسے بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ یہ انبیاء کرام سابقین علیہم السلام کا قبلہ ہے۔ اہل کتاب اس کو ہیکل کہتے ہیں۔ یہ مسجد شہر یروشلم ملک فلسطین میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً پانچسو برس بعد تعمیر کی تھی۔ جس پر بنی اسرائیل کی شرارتوں سے کئی بار صدمات آئے۔ اور گرائی گئی۔ پھر نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد معدلت مہد میں شہزادہ روم طیطس کی گرائی ہوئی مسجد کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ مسجد اسی جگہ کا نام ہے جہاں ایک مرتبہ عمارت عبادت گاہ تعمیر ہو چکی تھی۔ عمارت کا نام مسجد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عمارت بدلتی رہتی ہے۔ مسجد نہیں بدلتی۔ مگر اس کے پاس پاس عیسائیوں نے مذہبی عمارات تعمیر کر رکھی تھیں اس زمانہ میں ان کو بھی بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کہتے تھے۔ جن کے نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی دریافت پر بیان فرمائے تھے۔ بعض اہل لغت نے اقصیٰ کے معنے آگے

Marfat.com

سے آگے کے بھی کیے ہیں۔ جس سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندئی وانتہائے سفر معلوم ہوتی ہے۔ یعنی حضور ایسے مقام پر تشریف لے گئے جو آگے سے آگے تھا۔ جہاں تک رب العزت نے چاہا اور جس کا ادراک محال ہے پھر مسجد اقصیٰ کی تعریف بیان فرمائی گئی اَلَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ. جس کے گرد ہم نے برکت دی ہے۔ اس برکت کی پوری کیفیت تو علم الٰہی عزوجل میں ہے۔ ظاہری برکات کی نسبت تو خازن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ دریاؤں، نہروں، باغوں سے تمام علاقہ کا سرسبز وشاداب ہونا اور باطنی برکات یہ ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ ہونے کے علاوہ مزارات انبیاء وصالحین سے بھی پُر ہے اور اسی طرف قیامت کو خلایق کا حشر ہوگا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ مبارک ہو شام کو ستّر ہزار فرشتے ہر روز اس پہ سایہ کرتے ہیں۔ اور اس میں نماز کا ثواب پچاس ہزار نماز کا ہے جیسے پچاس ہزار نماز کا ثواب مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی میں ہے۔ پھر اسریٰ کے فوائد میں سے بعض پر تنبیہ فرمائی۔ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھلائیں۔ لیکن ہماری قدرت وعظمت میں وہ نشانیاں بھی تھوڑی ہیں۔ اس لئے من تبعیضیہ سے فرمایا کہ بعض نشانیاں دکھلائیں اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ بے شک وہی سمیع اور بصیر ہے۔ بعض نے کہا کہ ضمیرہٗ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور شیخ عکبری نے تبیان میں نقل کیا ہے کہ ضمیر واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور یہ مستحسن ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سننے والا ور دیکھنے والا ہونا مدح اور لیاقت معراج پر دال ہے۔ یعنی ایسے بندے کہ یہ عروج دیا جس کو اپنی قدرت کاملہ سے اس لایق فرمایا کہ وہ سمیع سماع خطاب کے لایق تھا۔ اور آیات الٰہی کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے والا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرا کوئی بندہ اس مرتبہ کو نہ پا سکا اور آپ کی نبوت تامہ کیلئے جو تمام زمانہ کیلئے ہو۔ ایسا ہی ہونا ضروری تھا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ سمیع منکروں کے بیہودہ سوالات پر تہدید کیلئے آیا اور بصیر اس عجیب ترین سیر میں حضرت کی نگہبانی کیلئے آیا ہے۔ یعنی جس قدر سفر تھا وہ اللہ کی نگہبانی میں تھا۔ جیسے مسافر کو کہا جاتا ہے اللہ تیرا نگہبان ہے۔ ایسے ہی یہاں اسم بصیر آیا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

لیلۃ الاسراء میں مقام روانگی اور انتخاب سواری

مسیح برفلک چار میں قرار گرفت　　　کلیم برجبل طور اعتبار گرفت
غلامِ ہمتِ آنم کہ فوق کون و مکان　　　براقِ عزم جہانے دو دستِ یار گرفت

جس قادر و قیوم نے آسمانوں کو بے ستون اور زمین کو بے میخ قیام بخشا جس نے قطرۂ آب کو اشرف المخلوقات پیدا کیا۔ جس نے خون کو پستانِ مادر میں شیرِ شیرین بنایا، جس نے پشہ سے لشکر نمرود کو ہلاک کیا۔ جس نے طیر ابابیل سے اصحاب فیل کو مروایا۔ جس نے کشتی نوح کو طوفان سے نجات دی جس نے دریائے نیل سے موسیٰ کو پار لگایا اور فرعون کو غرق کیا۔ جس نے بھڑکتی آگ کو خلیل پر گلزار کیا۔ جس نے یونس کو بطن حوت میں سمندر کی سیر کرائی۔ جس نے شاہ سکندر ذوالقرنین کو مشرق و مغرب کی زمین دکھائی جس نے تخت سلیمان کو ہوا میں معلق کیا، جس نے داؤد کے ہاتھ میں لوہے کو موم کر دیا جس نے موسیٰ کو کلیم بنا کر جبل طور پر بلایا۔ جس نے عیسیٰ کو چرخ چہارم پر اٹھایا۔ جس نے بلعم بن باعور کو نارِ دوزخ میں جلایا اور ساحرانِ فرعون کو معہ آسیہ کے جنت میں پہنچایا وہی رب سبحان ذات پاک معبود اپنے بندے مقبول و محبوب بندے۔ ممتاز و مختار بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض حصہ رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور سدرہ سے عرش اعظم تک اور وہاں سے لامکاں تک مع الجسم لے گیا۔ سوتے کو جگا کر لے گیا۔ شان و احترام سے لے گیا۔ خانہ امہانی سے لے گیا۔ بیت الحرام سے لے گیا۔ شب دوشنبہ میں ستائیسویں رجب شریف کو قرب خاص میں لے گیا۔ اور قرآن شاہد ہے کہ سرکار کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رب عالمِ بالا پر لے گیا۔ سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الایۃ. صاحب معراج کو بلندی بے انتہا پر چڑھانے کیلئے۔ اور جمیع انبیاء کرام علیہم السلام سے رتبہ بڑھانے کے

Marfat.com

لئے۔ انتہائی قرب عطا فرمانے کیلئے۔ سوارِ عرب کی سواری سے تمنائے براق بر لانے کیلئے۔ قلبِ اطہر سے خوفِ قیامت اٹھانے کے لئے۔ محبوب کو خزائنِ رحمت دکھانے کے لئے۔ امت مرحومہ کی مغفرت فرمانے کے لئے۔ عرشِ اعظم کو نعلین محبوب کی برکت دلانے کے لئے۔ بیت المقدس میں امامتِ انبیاء کرانے کے لئے۔ بیت المعمور میں امام الملائکہ بنانے کے لئے۔ حجابِ خاص میں بلا واسطہ وحی رازِ کان وما یکون کا عالم بنانے کے لئے۔ قدرتی نشانات کا مشاہدہ اور اپنا دیدار بے پردہ دکھانے کے لئے مکی و مدنی تاجدار کو آمادہ بسفرِ معراج فرمایا گیا۔ لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

رباعی

مبارک تجھے یہ سفر جانے والے　　خدا سے مقام دنیٰ پانے والے
سنا نیلگے اون منی کا مژدہ　　جو تھے لن ترانی کے پہنچانے والے

کارکنانِ قضا و قدر بہت سی قوموں کی قسمت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ مگر ایک بادیہ نشین قوم پہاڑوں کے دامن میں دبی پڑی تھی۔ انہی پہاڑوں کے غار سے آتشین شریعت کا ایک شرارہ اوڑا اور دفعتہً خرمن جہل و ضلالت پر برق خاطف بن کر گرا۔ اس مردہ قوم کی سوئی ہوئی تقدیر نے مدت کے بعد ایک خاص رات میں کروٹ بدلی۔ جس کو لیلۃ الاسریٰ یا لیلۃ المعراج کہا گیا ہے کیونکہ اسی رات میں اس کے کارنامہ عمل کو اس کے ہادی کے ذریعہ سے متعین کر دیا گیا تھا۔ وہ توقیر و منزلت کی رات۔ محبّ و محبوب کے وصال کی رات۔ راحت نما رات۔ عجیب و غریب انداز سے عالم میں رونما ہوئی آ و غلامان محبوب الٰہی کو مکہ کی سیر کرائیں۔

بہت دیر ہوگئی کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے۔ نصف شب ہونے کو آئی۔ اندھیرا اپنا ایسا تسلط کئے ہوئے ہے کہ کسی باخدا گلیم پوش کے مراقب ہونے کا شبہ ہوتا ہے دنیا میں ہر ایک محوِ خواب ہے۔ شہر مکہ میں جو پہلا عبادتخانہ اور قبلہ عالم ہے کے بیت محترم کے ایک پہلو میں ام ہانی بنت ابی طالب ہمشیرہ محترمہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مکان آباد ہے۔ اسی

Marfat.com

مکان میں آج آمنہ کے لعل محبوبِ ذوالجلال بعد نماز عشاء آ کر استراحت فرما ہوئے ہیں۔ آنکھیں محوِخواب ہیں۔ مگر دل یادالٰہی میں بیدار ہے ادھر یہ سماں ہے ادھر سدرۃ المنتہٰی پر سیّد الملائکہ المقربین حضرت روح الامین جبرائیل علیہ السلام کو پیام رب الانام پہنچتا ہے کہ میکائیل کو کہد و تقسیم روزی کا پیمانہ ہاتھ سے رکھدے۔ عزرائیل قبض ارواح سے ٹھہر جائے۔ اسرافیل کارِصور ترک کرے فراشان نور وضیاء کو خبر دو کہ نقارۂ جود و عطا اطراف و اقطار میں بجادیں۔ رضوان کو حکم دو کہ جنتوں کو سجادیں۔ داروغہ جہنم درکات دوزخ کو اقفال حلم وتسکین سے مقفل کر دے۔ بحار تلاطم سے اور ریاح و افلاک سیر و گردش سے باز رہیں۔ تمام ملائکہ استقبال کو آمادہ ہوں۔ حورانِ جنت آراستہ اور غلمان پیراستہ ہو جائیں زمین پر اہل قبور سے عذاب دور ہو جائے اور تاحکم ثانی آفتاب نہ نکلنے پائے جبرائیل علیہ السلام اس حکم سے متحیر و دنگ رہ جاتے ہیں۔ راز سمجھ میں نہ آیا۔ التجا کی الٰہی کیا قیامت آ گئی ہے۔ فرمایا نہیں۔ ساعتِ وصل حبیب قریب ہے۔ آج کی رات اپنے محبوب خیر البشر کو اپنے وصال وقرب سے مشرف فرماؤں گا۔ تم ستر ہزار فرشتے اپنے ہمراہ لو۔ اور جنتوں کے براقوں سے ایک براق چن کر لے جاؤ۔ اور ہمارے لاڈلے محبوب کو اس پر سوار کر کے لے آؤ۔ جبرائیل امین حکم پاتے ہی مرغزار جنت میں پہنچے۔ ایک براق برق رفتار کو دیکھا گوشہ مرغزار میں سر جھکائے کھڑا ہے اور مغموم ہے۔ سردار ملائکہ نے قریب ہو کر وجہ غم دریافت فرمائی۔ جواب ملا۔ ہزارہا سال سے نامِ نامی سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا تھا۔ اس وقت سے حراساں ہوں کہ معراج کی رات ان کی سواری کیلئے میرا انتخاب کس طرح عمل میں آئے گا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اسی براق کو کہ جس کے سینہ میں عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا داغ تھا اپنے ہمراہ لیا اور عازمِ بطحا ہوئے خاصانِ خدا نے سچ کہا ہے کہ عاشقوں کی کامیابی کا راز دردوسوز ہی میں ہوتا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دردوسوز ہی سے صداقت کا سہرا لیا۔ علی المرتضٰی کرم اللہ وجہ، نے دردوسوز ہی سے تاج تکریم کو پایا بلال رضی اللہ عنہ دردوسوز ہی سے پروانہ شمعِ رسالت کہلائے۔ ستونِ حنانہ سوز ہی سینہ

Marfat.com

اطہر نبوی سے جا لپٹا۔ الغرض روح الامین علیہ السلام بحکم خالق الکل جلشانہٗ، فوجِ ملائکہ ہمراہ لے کر مع براق مکہ میں آئے۔ درحجرہ ام ہانی بنتِ ابی طالب کو بند پایا جہاں حضور استراحت فرما تھے۔ براق کو وہیں چھوڑا اور خود حجرہ کی چھت کے ذریعہ اندر داخل ہوئے دیکھا تاجدار عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوابِ ناز میں ہیں۔ دفعتہً جگانا خلافِ ادب جانا اور حضور علیہ السلام کے پائے مبارک کے تلووں سے اپنی آنکھیں ملنے لگے۔ آپ بیدار ہو کر نظر فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام محوِ عقیدت و نیاز ہیں اور عرض کر رہے ہیں۔

اے رسول عربی شافع محشر جاگو　　آیا جبرائیل ہے لینے کو پیمبر جاگو
صدقے ان نرگسی آنکھوں کے گلِ تر جاگو　　بخت پر آپ کے قربان سکندر جاگو
جاگو جاگو میرے آقا مرے سرور جاگو
جاگو محبوبِ خدا ساقی کوثر جاگو

حضور نے التفات فرمائی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وصال رب ذوالجلال کی خوشخبری سنائی اور عرض کیا۔ ''یا رحمة للعلمین ان اللہ تبارك و تعالیٰ یقرء ك السلام و یقول زدنی فانی مشتاق الیك اور بیت حرم میں رونق افروز ہونے کی التجا کی۔ حضور نے قبول فرمایا اور قدم ناز بجانب کعبہ مکرمہ اٹھایا۔ حضرت روح الامین آپ کو حطیم میں لائے۔ اور چوتھی بار حضور کا شقِ صدر کیا۔ تین مرتبہ اس سے پہلے شق صدر ہو چکا تھا۔ جس کو محققین و محدثین نے ذکر فرمایا ہے اور شق صدر دوسری مرتبہ کا قصہ حلیمہ سعدیہ یوں بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بھائی رضاعی تھے۔ یعنی حلیمہ کے دو بیٹے تھے۔ وہ ہر روز جنگل میں بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔ جب آنحضرت تین برس کے ہوئے تو مجھے فرمایا کہ اے اماں میں اپنے بھائیوں کو نہیں دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا تجھ پر اماں قربان ہو۔ تیرے بھائی دن میں بکریاں چرایا کرتے ہیں۔ فرمایا پھر مجھے ان کے ساتھ بھیجا کرو۔ میں نے دل شکنی گوارا نہ کرتے ہوئے کہا کہ کل ان کے ساتھ کردوں گی۔ دوسرے دن علی الصباح میں نے کنگھی کر کے سرمہ لگا کر کپڑے پہنا دیئے اور نظر بد دور

Marfat.com

کرنے کے خیال سے جزع یمانی کا گلو بند گردن میں ڈال دیا۔ جس کو اسی وقت آپ نے نوچ کر پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ میرا حافظ میرے ساتھ ہے۔ پھر میں نے اس کے بھائیوں کو وصیت کی۔ اور فرزند محبوب کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ لیکن میرا دل مطمئن نہ ہوا۔ ہنوز دو پہر نہیں ہوئی تھی کہ میرا لڑکا زبیر ہانپتا کانپتا آیا۔ پسینہ میں شرابور ہو کر اس نے فریاد کی کہ اے اماں جلدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر لے۔ مجھے امید نہیں تو اسے زندہ پاوے۔ میں نے بدحواس ہو کر فریاد کی اور قبیلہ بنی سعد میں سے جو لوگ موجود تھے۔ معہ چند عورتوں کے چراگاہ کی طرف دوڑے میرے شوہر نے زبیر سے حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ یکا یک دو مرد ظاہر ہوئے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر پہاڑ پر لے گئے اور سینہ چاک کر ڈالا۔ میں ان کو اسی حال میں چھوڑ آیا تھا۔ اور یہ دونوں مرد ہوا سے اترے تھے۔ حلیمہ کے شوہر کو گمان ہوا کہ کسی دشمن قبیلہ کے لوگوں نے اس کو یہ گزند پہنچائی ہے۔ بہر حال افتاں وخیزاں وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ آپ پہاڑ پر سراسیمہ بیٹھے ہیں۔ رنگ ذرا زردی مائل ہے اور بخیریت ہیں۔ حلیمہ کے شوہر نے فوراً گود میں لیا۔ جب دلوں نے قرار پکڑا تو ہم نے پوچھا بیٹا کیا ہوا تھا۔ فرمایا کہ ہوا میں دو باز سفید اڑتے نظر آئے ایک نے کہا کہ وہ یہی ہے۔ دوسرے نے کہا ہاں یہی ہے۔ پھر وہ دونوں دو مردوں کی شکل اترنے۔ ایک کے ہاتھ میں آب تازہ کی زرین صراحی وطشت زمرد تھا۔ مجھے یہاں لا کر چت لٹایا اور حلق سے ناف تک چیر دیا۔ اور تمام اندر کو دھویا۔ دوسرے نے میرا دل نکال کر چاک کر کے اس میں سے سیاہ نقطہ خون آلود نکال کر پھینک دیا اور اعضاء واحشاء اور دل کو غسل دے کر اپنے اپنے مقام پر رکھ دیا۔ پھر میرے دل کو ایسی چیز سے بھرا کہ اس سے بہتر میں نے نہیں دیکھی اور جوف میں ایسی چیز رکھی کہ اس سے زیادہ نرم وخوشبودار کوئی چیز میں نے نہیں پائی۔ انہوں نے یہ سب کام کیا لیکن مجھے کچھ درد وغیرہ محسوس نہیں ہوا۔ اور نہ کوئی قطرہ خون نکلا ہے۔ پھر سب برابر کر کے سی دیا گیا۔ القصہ حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم لوگ اس وقت آپ کو گود میں لئے ہوئے گھر لائے۔ اور سب کو اس واقعہ سے حیرت وامنگیر تھی۔ میرا گھر آپ کی خوشبو سے مہک رہا تھا جب ہم

Marfat.com

گھر آئے تو بنی سعد میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اس فرزند پر جن کا اثر ہو گیا ہے۔ کسی کاہن کو دکھلانا چاہیئے۔ لیکن آپ نے خود ہی فرمایا کہ تم لوگ کس خیال میں ہو میں بالکل صحیح وسالم ہوں۔ تمہارا خیال غلط ہے ۔ مجھے کوئی خلل نہیں۔ مگر بچہ کی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے ایک مشہور کاہن کے پاس لے گئے۔ ہم نے حال کہنا چاہا تو اس نے کہا کہ اس بچہ کو گود سے اتار دو۔ یہ خود بیان کرے گا۔ جب آپ نے صورت حال بیان کی اور اس کاہن نے سنا۔ تو جلدی سے آپ کو لپٹ گیا۔ اور چلایا کہ اے قوم اس کو قتل کر دو اور مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر دو۔ قسم ہے لات وہُبل کی کہ اگر یہ بڑا ہو گا تو تمہارے عقل مندوں کو احمق بنائے گا اور تمہارا دین مٹائے گا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ جیسے ہی اس نے یہ کلمہ کہا۔ میں نے اسکا ہاتھ مروڑ کر آپ کو اس سے چھڑا لیا۔ اور کہا کہ کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے جو بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے۔ تو اپنی خبیث جان کا قاتل کوئی اور تلاش کر لے۔ ہم لوگ اس فرزند کے حق میں ہرگز یہ خیال نہ کریں گے۔ اور ہم وہاں سے آپ کو لے کر واپس چلے آئے۔ لیکن میرے شوہر نے اور دوسرے اقارب نے کہا کہ یہ معاملہ پیچیدہ ہو گیا ہے اور ہم لوگ ان کی ابتدائے ولادت کا حال بھی سن چکے ہیں کہ عرب کے یہودی اس فرزند کی ولادت سے غمناک ہیں کہ یہ ہمارا قاتل ہو گا۔ اب یہی مصلحت ہے کہ رنج مفارقت گوارا کر کے ان کو صحیح وسلامت عبدالمطلب کے پاس پہنچا دو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ غم ہماری قسمت میں عمر بھر کا داغ ہو جائے۔ جب روانگی کا عزم مصمم ہو چکا تو حلیمہ فرماتی ہیں کہ رات ہی کو ہاتف نے غیب سے آواز دی کہ اب خیر و برکت وامن وامان دیارِ بنی سعد سے رخصت ہوتے ہیں۔ بطحیٰ ومکہ کو مبارک ہو کہ خیر البشر وہاں مقیم ہوں گے۔ اس وقت اہل حرم حوادث زمانہ سے محفوظ ہوں گے۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ صبح مرکب پر سوار ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے بٹھا لیا اور دل مضبوط کر کے روانہ ہو گی۔ راستہ میں اطراف و جوانب سے ہولناک آوازیں سننے میں آتیں۔ اس لئے میں ایک لمحہ بھی غافل نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ مع الخیر مکہ کی زمین میں پہنچی۔ وہاں برائے ضرورت اتری۔ اور اس گوہر گرانمایہ کو بھی اصلاح شان کیلئے اتار لیا۔ ایک لحظہ گزرا ہو گا کہ

Marfat.com

مجھے ایک ابرِ سفید اترتا نظر آیا۔ اور آوازیں سننے میں آئیں۔ میں نے قضائے حاجت سے جلد فراغت کی اور ہر چند اطراف واقطار میں نظر ڈالی۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا۔ اس وقت میرے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی۔ میں بے اختیار رونے پیٹنے لگی۔ میری یہ حالت تھی کہ نہ میں وہاں ٹھہر سکتی تھی اور نہ میں مکہ میں داخل ہو سکتی تھی کہ اتنے میں ایک پیر مرد میرے سامنے آیا۔ اس نے میرا حال پوچھا۔ اور میں نے اس سے بیان کیا اور کہا کہ مجھے رب ابراہیم کی قسم ہے اگر میرا فرزند نہ ملا تو میں یہاں جان دے دوں گی۔ وہ بوڑھا کہنے لگا کہ ہمارے داتا ہبل کے پاس چل وہ چاہے تو واپس کر دے۔ اور مجھے وہاں لے گیا۔ سجدہ و عاجزی کے بعد کہنے لگا۔ اے ہمارے معبود اس عورت کا فرزند محمد صلی اللہ علیہ وسلم یکا یک گم ہو گیا ہے۔ اگر رحم کرو تو اس کا فرزند اس کو واپس کر دو۔ پیر مرد نے ابھی اپنا کلام ختم نہیں کیا تھا کہ ہبل اوندھا گرا اور اس کے خول میں سے ایک آواز نکلی کہ مجھے اس کی شان سے کیا تعلق ہے وہ ہمیں ذلیل ورسوا کرے گا۔ اور ذبح اکبر یعنی جہاد اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کو اس کے معبود سے مانگو۔ یہ حالت دیکھ کر وہ بوڑھا وہاں سے نکلا اور مجھے کہنے لگا۔ واللہ ایسا حال میں نے کبھی نہیں دیکھا بیشک تیرا فرزند شان عظیم رکھتا ہے۔ اتنے میں ہاتف غیب نے آواز دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وادی تہامہ میں ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ مایوس ہو کر حلیمہ نے عبدالمطلب سے کہا اور وہ مع قریش آئے۔ تیسری روایت میں ہے کہ ڈھونڈ کر ابوجہل اپنے اونٹ پر ساتھ لایا تھا۔ چوتھی روایت میں مسعود ثقفی اور عمرو بن نوفل کا نام ہے۔ مفسرین کے نزدیک توجیہ یہ ہے کہ عبدالمطلب بھی روانہ ہوئے۔ اور ثقفی وابن نوفل کچھ دور آگے تھے۔ اور ابوجہل اس طرف سے آتا تھا۔ اس نے آپ کو دیکھا کہ درخت سے کھیلتے ہیں۔ نام پوچھ کر اپنی ردیف میں بٹھا لیا لیکن اونٹنی نے چلنے سے انکار کیا ہر چند کوشش کی مگر اونٹنی نے سرکشی سے کام کیا۔ ابوجہل نے خوف کھا کر آپ کو آگے بٹھا لیا۔ تو اونٹنی فوراً کھڑی ہوئی اور چلی۔ راستے میں ابن نوفل وثقفی مل گئے انہوں نے اس امر کو آزمایا۔ تو ان کی سواریوں نے بھی اس وقت تک قدم نہ اٹھایا۔ جب تک آپکو آگے نہ بٹھایا

Marfat.com

گیا۔ پھر کچھ دور چل کر انہوں نے عبد المطلب کو پایا۔ اور آپ کو ان کے حوالہ کیا۔ عبدالمطلب نے حلیمہ کو تسکین دینے کی غرض سے اس کے حوالے کیا اور آپ اپنی والدہ بی بی آمنہ کے گھر لائے گئے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت بی بی آمنہ سے شقِ صدر کا حیرتناک قصہ بیان کیا اور کہا کہ اسی واقعہ کی وجہ سے میں ان کو لائی ہوں۔ اور اس جدائی پر صبر کرتی ہوں۔ اس وقت سے بعد پھر حلیمہ کو لے جانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ولیکن اکثر اوقات آیا جایا کرتی تھیں۔ ان دنوں آپ کی عمر مبارک کا چوتھا سال شروع تھا۔ اور یہ دوسری مرتبہ شق صدر تھا۔ تیسری مرتبہ قریب بلوغ ہوا اور چوتھی مرتبہ معراج شریف کی رات ہوا۔ جبکہ آپ کی عمر مبارک اکیاون برس اٹھ ماہ بیس روز کی تھی۔ اور دو شنبہ کی رات ۲۷ رجب المرجب کو بعثت کے بارہ سال بعد فلکی سیاحت اور عالم علوی کے عجائبات کی سیر کیلئے تشریف لے گئے۔

الغرض جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے سینہ بے کینہ کو بعد ادائیگی نوافل اسفل بطن تک چاک کیا۔ اور قلب مبارک نکال کر ایک سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا۔ اور پھر اس کو نور وحکمت سے بھر کر اس کی اصلی جگہ پر رکھ کر درست فرمادیا۔ جب آپ اس شانِ زیبائی سے تیار ہو گئے۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے مبارک باد دی اور عرض کیا آج کی رات وہ مبارک رات ہے کہ خود رب العزت جلّ شانہٗ نے آپ کو طلب فرمایا ہے اور ملکوت السموات والارض کو حکم دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنور کے استقبال اور خیر مقدم کی تیاری کریں۔ آج آپ کی خاطر جنت کو آراستہ کیا گیا ہے۔ آسمانوں کو پوری آرایش و تزئین کے ساتھ زینت دی گئی ہے اور عالم بالا اس وقت سراپا انتظار بنا ہوا ہے۔ حضور کو یہ عزت واحترام، شرفِ باریابی، اور انتہائی قربت وسعادت مبارک ہو۔ جس کی تمنا میں بڑے بڑے الوالعزم اور جلیل القدر انبیاء نے التجائیں کیں، دعائیں مانگیں اور الحاح وزاریاں کیں۔ مگر کسی کو یہ شرف حضوری حاصل نہیں ہوا۔ الغرض حضور علیہ السلام باصد ہزاراں انداز محبوبانہ حاضری بارگاہِ رب العزت کیلئے تیار ہو گئے۔ یہاں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا

Marfat.com

چاہئے۔ کہ محققین ومحدثین کے نزدیک مقام روانگی معراج میں اختلاف ہے کہ کہاں سے حضور کی تشریف بری ہوئی۔ مذکورہ بالا بحث میں بھی یہ اختلاف معلوم ہوتا ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا آپ نے فرمایا میں مکہ میں اپنے گھر آرام فرما تھا کہ سقفِ خانہ شگافتہ ہوئی اور جبرائیل علیہ السلام آئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حرم میں تھا۔ تیسری روایت میں ہی مسجد حرام کے حجرہ میں تھا کہ جبرائیل مع میکائیل تشریف لائے۔ چوتھی روایت میں ہے کہ خانہ ام ہانی میں تھا۔ اور اکثر محدثین اسی طرف میل رکھتے ہیں۔ ایک روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہے کہ اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو لیلۃ الاسرٰی سے آگاہ فرمائیے۔ تو فرمایا کہ میں بعد نماز عشاء مسجد حرام میں تھا کہ میرے پاس آنے والا آیا۔ اور اس نے مجھے جگایا۔ ان مختلف فیہ روایات میں مطابقت یوں ہوسکتی ہے کہ اس رات آپ ام ہانی کے گھر ہوں گے۔ اور وہ گھر کوہِ صفا اور مروہ کے درمیان واقع تھا۔ جو جگہ داخلِ حرم شریف بھی ہے اور کفالت کے وقت چونکہ حضور ابو طالب کے اسی گھر میں تھے۔ اس لئے اس کی اضافت اپنی طرف فرما کر کہا کہ میں اپنے گھر میں تھا۔ اور آپ کو وہاں سے پہلے مسجد حرام میں لے گئے تھے تا کہ طواف کعبہ فرما کر ارادۂ بیت المقدس فرمائیں۔ اس جہت سے حجرۂ مسجد میں فرمایا ہو۔ پس سب روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوا کہ خانہ ام ہانی بنت ابی طالب میں تھے اور یہیں سے روانگی ہو کر واقعہ معراج پیش آیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

تاریخ کعبہ مکرمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً

فطوبیٰ لباب کبیت العتیق

حوالیہ من کل فج عمیق

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام بابرکت سے ابتدائے معراج ہوئی ہے۔ اس کی مختصر کیفیت بھی درج کتاب ہذا کر دی جائے۔ تاکہ قارئین کرام اپنے خداوند جل و علاشانہ، کی رحمت اور اس کے مقدس گھر کی برکتوں سے واقفیت حاصل کر کے محظوظ ہو سکیں۔ یہ یاد رہے کہ انسان میں دو قوتیں ودیعت ہوئی ہیں۔ عقل اور عشق اور یہی دونوں قوتیں منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے اس کے دو پر ہیں۔ تنہا نہ عقل کام دیتی ہے اور نہ شوق و محبت۔ اور یہی اختلاف ہے جو عقل کے بندوں حکماء میں اور طریقِ انبیاء میں پایا جاتا ہے۔ حکماء صرف عقل کے پابند ہوتے ہیں۔ مگر انبیاء عقل کے ساتھ عشق کو بھی کام میں لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو منازل عقل سے سالہا سال میں طے نہیں ہوتیں۔ وہ عشق سے دم بھر میں انجام پا جاتی ہیں۔ اسلام میں جس قدر عقل معتبر ہے۔ اسی قدر عشق بھی اس کے ہم پلہ سمجھا گیا ہے اور اگر آپ بغور ارکان اسلام کا مطالعہ فرمائیں گے تو ہر کام کو دونوں چیزوں سے مرکب پائیں گے۔ چنانچہ نماز میں حمد و ثناء الٰہی اور استعانت۔ عقل سے متعلق ہیں۔ لیکن دست بستہ کھڑے ہونا۔ جھک جانا۔ سجدہ میں گر جانا عشق سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ اسی طرح حج میں اس کی صفت وثناء دعا واستغفار۔ عقل کے ماتحت ہے۔ لیکن احرام باندھ کر فنائے حرص و ہوا کا ثبوت دینا۔ دیوانہ وار کعبہ کے گرد گھومنا۔ صفا مروہ دوڑنا۔ منیٰ وعرفات میں والہانہ لبیک پکارنا۔ حضرت عشق کا جلوہ ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جس کے ماتحت خالق الکل جل شانہ، نے ہم کو اپنے اس مقدس گھر کے طواف وزیارت کا حکم دیا ہے۔ جس کا نام نامی بیت الحرام ہے یہ تجلّی گاہِ جلال دنیا کے عین

Marfat.com

وسط میں واقع ہے جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ شام و عراق ۔ ایران و ترکستان ۔ یورپ و ایشیا ۔ ہند و سندھ ۔ مصر و بخارا ۔ جاپان و افغانستان ۔ مراکش وطرابلس ۔ غرضیکہ تمام دنیا کی اسلامی آبادی بخطِ مستقیم حاضر ہو سکے ۔ اور اپنی روحانی تڑپ والتہاب کو فرو کر سکے ۔ شہر مکہ معظّمہ جس میں خانہ کعبہ واقع ہے آج سے دو ڈہائی ہزار برس پہلے ایک غیر آباد ریگستان اور نا قابل بسر جنگل تھا ۔ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی حرم محترم حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل کو بحکم الٰہی وادی غیر ذی زرع سمجھ کر یہاں چھوڑ گئے تھے اور خدائے قدوس سے دعا مانگی تھی کہ اس وادی کو ایک پر فضا اور آباد شہر بنا دے جس کے اہالی تیری رحمت سے پھلوں کا رزق دیئے جائیں ۔ وہ دعا منظور ہوئی اور باوجودیکہ اس کی زمین تمام تر ریتلی اور سنگلاخ میلوں میں پٹی پڑی ہے اور زراعت وغیرہ نام کو نہیں تاہم خدا کے وعدہ کے مطابق ہر قسم کی چیزیں اپنی اصلی شکل و صورت میں دستیاب ہو جاتی ہیں ۔ اس شہر کی آبادی تخمیناً ستر پچھتر ہزار کی مردم شماری رکھتی ہے دو طرفہ اس کے پہاڑی کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے ۔ حرم شریف اس کے گرد و انواح میں ایک بارہ میل وسیع اور خوبصورت میدان کا نام ہے جو مربع شکل میں ہے اور خانہ کعبہ حرم کے بالکل درمیان واقع ہے ۔ اس مقدس و بزرگ خانہ خدا کی تعمیر کی ابتدا یوں ہوتی ہے ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر تشریف لے آئے تو وحشت و تنہائی کو محسوس فرما کر بارگاہِ ایزدی میں عرض گزار ہوئے کہ یہاں کوئی مسقف مکان نہیں اور نہ عبادت کا سامان ۔ میری عبادت کیلئے کوئی انتظام فرمایا جاوے ۔ حکم ہوا تو عبادت کیلئے ایک گھر بنا کہ یہ دنیا میں خدا کا پہلا گھر ہوگا ۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ جگہ معلوم ہونی چاہیئے ۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے کعبہ کی جگہ بتائی اور آدم علیہ السلام نے پتھروں کی بنیاد زمین سے اوپر تک چنی ۔ پھر اس پر ایک خیمہ نورانی جو ملاءِ اعلیٰ میں ملائکہ کا طواف گاہ ہے اور بیت المعمور کے نامِ نامی سے معروف ہے رکھا گیا ۔ پس آدم علیہ السلام وہاں طواف کرتے اور اسی جہت کو نماز ادا فرماتے ۔ ایک عرصہ تک یہی کیفیت رہی ۔ پھر طوفانِ نوح

Marfat.com

میں وہ بیت المعمور اٹھالیا گیا جس کی یادگار کی صورت میں صرف ایک سرخ ٹیلہ سا بعد طوفان کے باقی رہ گیا۔ پھر جب سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو وہ اپنی حرم محترم حضرت ہاجرہ علیہا السلام و صاحب زادے اسمٰعیل علیہ السلام کو جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے جہاں چھوڑ گئے تھے ملاقات کو تشریف لائے تو اسمٰعیل علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھ کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا ہے۔ اگر تو میرا ساتھ دے تو بہتر ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا بسر و چشم حاضر ہوں۔ پس ابراہیم علیہ السلام اس ارادہ سے جب آگے بڑھے تو تعین مقام کے لیے سکوت میں ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک ٹکڑا ابر اسی مقدار کا جس قدر تعمیر کعبہ مقصود تھی نمودار ہوا۔ اور ایک جگہ پر آ کر ٹھہر گیا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقام پر کعبہ کی بنیادیں رکھیں اور کعبہ تیار ہو گیا۔ یہ دیکھنے میں گو ایک مستطیل شکل کا چوکونہ مکان تھا مگر کوئی ایک دیوار بھی اپنے طول و عرض میں دوسری کے برابر نہ تھی۔ چنانچہ اس کے چار گوشے چار رکنوں کے نام سے موسوم کر دیئے گئے۔ شمال مشرق میں رکن ۱ عراقی شمال مغرب میں رکن غربی ۲ ۔جنوب مغرب میں رکن ۳ یمانی۔ جنوب مشرق میں رکن شامی اور اس خدا کے مقدس گھر کا طول و عرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیواریں اٹھائیں۔ اس طرح تھا۔ مشرقی جانب یعنی حجر اسود سے رکن یمانی تک بیس گز تھا۔ اور مغربی جانب رکن شامی سے لے کر رکن غربی تک بائیس گز۔ اور طول میں شمالی دیوار حجر اسود سے رکن شامی تک تنتیس گز لمبی اور جنوبی دیوار رکن غربی سے لے کر رکن یمانی تک اکتیس گز تھی۔ سب بہیت مجموعی شکل مستطیل مگر نہ عرض کے دونوں سرے برابر نہ طول کی دونوں دیواریں برابر تھیں اور بلندی اس مکان کی پورے نو گز تھی۔ اور دروازے کی کچھ کرسی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر اور گارا دیتے جاتے تھے۔ اور یہ پتھر جس کو آج مقامِ ابراہیم کہا جاتا ہے۔ تعمیر میں بطریق پاڑ کے تھا۔ اس پر چڑھ کر دیوار کے پتھروں کی چنائی کی جاتی تھی۔ یہ گارا پتھر لینے کے لئے خود بخود نیچے ہو جاتا اور لگانے کیلئے اصلی مقام تک بلند ہو جاتا تھا۔ جنوب مشرق کے رخ باہر کے جانب دو ڈیڑھ گز بلندی پر

Marfat.com

ایک کونہ میں ایک سیاہ پتھر مدّ ور جس پر چاندی کا خول گرداگرد منڈھا ہوا ہے لگا ہے اس کو حجرا سود کہتے ہیں۔ کسی وقت میں کسی صدمہ کی وجہ سے اس کے ٹوٹ کر کئی ٹکڑے ہو گئے تھے۔ جن کو جمع کر کے یہاں گاڑ دیا گیا ہے اور یہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہی اسی کونہ میں جڑا ہوا ہے۔ جب ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ تعمیر کردہ کعبہ پہاڑی نالے کا پانی پڑنے کے سبب سے گر گیا۔ تو ایک قبیلہ بنی جرہم نے پھر اس کو اسی طور سے تعمیر کر دیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد یہ عمارت بھی گر گئی۔ تو عمالیق نے پھر اس کو تعمیر کیا (یہ قبیلہ عمالیق بن حمیر کہلاتا تھا) اس کے بعد یہ عمارت عمالیق کی بنائی ہوئی بھی ٹوٹ پھوٹ گئی۔ تو قصی بن کلاب نے اس کو از سر نو بنایا اور اس کی چھت لکڑی سے پاٹ دی۔ اور اس پر غلافِ سیاہ ڈال دیا۔ قریش میں سے قصی ہی ایک وہ شخص ہے۔ جس نے غلاف کعبہ کو ایک مستقل حیثیت دی۔ یعنی غلاف کی لاگت اور تمام مصارف کا اندازہ لگایا۔ اور مختلف قبائل عرب پر اس کا بار ڈال دیا۔ اور ہر سال اس رقم کی فراہمی سے غلاف کا اہتمام کیا کرتا چنانچہ اس کی اولاد بھی اس کے کچھ عرصہ بعد تک اسی دستور کی پابند رہی۔ پھر ابو ربیعہ کے زیادہ مالدار ہونے سے یہ دستور العمل ہوا کہ ایک سال وہ اکیلا غلافِ کعبہ چڑھایا کرے اور ایک سال تمام قبائل مل کر یہ خدمت انجام دیا کریں۔ قصی کے اس انتظام سے قبل غلاف کعبہ کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ عمومی صورت میں بطریق حرمت کبھی ٹاٹ کبھی چمڑے کے پیوند لگا کر کعبہ شریف کو ڈھانپ دیا جاتا تھا۔ کسی وقت قربانی کی جھولوں پر ہی اکتفا ہوتی اور کبھی میسر آنے پر کپڑا بھی (خواہ وہ کسی رنگ و روپ کا ہو) استعمال ہو جاتا جس کے لئے وقت کی کوئی خاص تعیین نہ تھی۔ سال بھر میں ایک مرتبہ میسر ہوا تو ایک بار اور زیادہ میسر ہوا تو متعدد اوقات میں غلاف چڑھا دیا جاتا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ایک سال کے بعد ضرور تبدیل کیا جائے۔ عہد قدیم کا ایک مشہور قصہ ہے کہ ابو کرب یمنی (جس کا اصلی نام اسعد حمیری والئے یمن تھا) نے اپنی عقیدت کے ماتحت ایک زر دوزی غلاف چڑھانے کا ارادہ کیا اور لایا مگر خدام کعبہ نے اس کی جانب کوئی التفات نہ کی جس سے وہ

Marfat.com

ناراض ہوگیا اور اس ناراضگی میں متبع نفس ہوکر بجائے غلاف چڑھانے کے کعبہ شریف کو گرا دینے کے درپے ہوگیا کہ کیوں خدام کعبہ نے میری آؤ بھگت نہیں کی۔ مگر وہ نہ سمجھ سکا کہ یہ کس گھر کے دربان اور کس مکین کے خدام ہیں۔ ان کی نگاہ میں ایک معمولی دنیا دار کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ غرضیکہ جوں ہی اس نے کعبہ کے گرانے کا خیال کیا فوراً ایک مہلک مرض کا حملہ ہوا اور جاں بر ہونے کی کوئی امید نہ رہی۔ مشیروں نے مشورہ دیا کہ اس برے ارادے سے باز آیئے۔ تب بیماری سے مخلصی ہوگی چنانچہ خلوص سے تائب ہوکر پھر غلاف چڑھانے آیا اور صحت یاب ہوگیا۔

کعبہ شریف کی یہی عمارت جو قصی بن کلاب نے بنائی تھی۔ ایک مدت تک رہی حتیٰ کہ اس وقت تک دیکھی گئی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر دس بارہ برس کے قریب ہو چکی تھی کہ ایک عورت نے پردہ کعبہ کے قریب بخور یعنی خوشبو جلائی تو پردہ میں آگ لگ جانے کے باعث یہ بھی تمام عمارت جل گئی۔ اس وقت قریش چاہتے تھے کہ اس عمارت کو پھر تعمیر کریں۔ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو بنا تو دیا۔ مگر کئی تصرف اس میں کر دیئے۔ پہلے یہ کہ حطیم کی جانب سے کئی گز زمین چھوڑ کر کعبہ کی غربی دیوار اٹھائی۔ دوسرے یہ کہ دروازے کی چوکھٹ تخمیناً دو گز اونچی کر کے لگائی۔ تا کہ ان کی مرضی کے بغیر ہر شخص کعبہ میں داخل نہ ہوسکے۔ تیسرے یہ کہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صف قائم کیں۔ ہر ہر صف میں تین تین ستون تھے۔ چنانچہ جب مکہ معظمہ حضور علیہ السلام کے وقت میں فتح ہوا اور کعبہ کے اندر جا کر نماز ادا فرمائی تو انہی ستونوں کے درمیان پڑھی چوتھے یہ کہ دیواروں کی بلندی دوگنا کر دی گئی۔ پانچویں یہ کہ رکن شامی کے قریب کعبہ کی چھت پڑ چڑھنے کیلئے ایک زینہ بھی بنا دیا۔ پھر ۸ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں باغلبہ وشوکت تشریف لائے تو جس قدر قریش نے کعبہ میں اور اس کے اردگرد بت اور مورتیاں رکھی تھیں سب کو نکال کر پھینک دیا۔ یہ بت قدیم سے کعبہ میں نہ تھے بلکہ عمرلحی کے عہد سے جو حضور علیہ السلام سے تخمیناً تین سو برس پہلے تھا اور اس وقت کعبہ بنائے قریش پر

Marfat.com

قائم تھا رکھے گئے تھے اور بزرگوں کی یادگار کے طریق پر ان کی پرستش شروع ہوگئی تھی۔
یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جب قریش کعبہ کی تعمیر کر چکے اور حجرِ اسود کو گاڑنا چاہا تو باہم قبائل میں اختلاف ہوا۔ ہر شخص اور ہر قبیلہ کا یہ خیال تھا کہ حجرِ اسود کو کعبہ مکرمہ کی دیوار میں رکھنے کا مجھے فخر حاصل ہو۔ قریب تھا کہ معاملہ بڑھ جائے اور تلواریں بے نیام ہو جائیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم مانو تو یہ بطریق احسن فیصلہ ہو سکتا ہے۔ سب نے متفق ہو کر یہ امر حضور کے سپرد کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو ایک چادر پر رکھ لو اور چادر کو تمام روساء ہاتھوں پر اٹھائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وہ اٹھا کر قریب کعبہ لائے جہاں کہ رکھنا تھا۔ تو حضور نے اٹھا کر رکھ دیا۔ اور اس طرح وہ بڑھتا ہوا فساد رک گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت صدیقہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کعبہ کو پھر قدیم بنیاد پر بطریق ابراہیم علیہ السلام بناؤں۔ اور دروازہ کی چوکھٹ زمین سے ملا دوں۔ اور دو دروازے رکھوں ایک سے لوگ داخل ہوا کریں اور دوسرے سے خارج۔ مگر خدا کی قدرت اسی اثناء میں حضور دنیا سے تشریف لے گئے۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یہ حدیث اپنی خالہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی تو حضرت کے ارادہ کو پورا فرما دیا۔ اور اس عمارت کی تکمیل ماہ رجب ۶۴ ہجری المقدس میں ہوگئی۔ ان کی خلافت اور اس تعمیر کے تھوڑے دنوں بعد بنی امیہ کا دور دورہ ہوا۔ حجاج بن یوسف نائب عبدالملک بن مروان کو یہ تعمیر عبداللہ بن زبیر ناپسند ہوئی۔ اس نے کعبہ کو گرا کر پھر بنیاد قریش پر بنا دیا۔ اور صرف ایک دروازہ مشرقی جانب رکھا۔ اندرونی سطح قدِ آدم بھر کر، دروازہ اونچا لگا دیا۔ اور وہ ٹکڑا بدستور طولانی جانب سے جس کو حطیم کہتے ہیں باہر نکال دیا۔ یہ تجدید ۷۴ ہجری میں ہوئی (بعض کہتے ہیں کہ حجاج نے تمام عمارتِ کعبہ عبداللہ بن زبیر کو نہیں گرایا تھا۔ بلکہ ان تصرفات میں تصرف کیا تھا جو عبداللہ بن زبیر نے کیے تھے) پھر بنی عباس کے عہد میں خلیفہ ہارون رشید نے قصد کیا کہ تعمیر کرے اور عبداللہ بن زبیر کی بنائے کعبہ پر بنائے مگر علماء نے منع فرمایا کہ بار بار گرانا اور بنانا کھیل

Marfat.com

ہو جائے گا۔ چنانچہ وہی بنائے حجاج سلطان مراد بن احمد خاں سلطان قسطنطنیہ کے عہد تک قائم رہی اور شاہانِ اسلام اسی عمارت کی حفاظت و مرمت کرتے رہے مگر یہ عمارت بھی جب بہت کہنہ ہوگئی تو ۱۰۴۰ھ ایک ہزار چالیس ہجری میں سلطان مراد نے اس کی تعمیر کا ارادہ کیا اور سوا اس کونہ کے جس میں حجرِ اسود لگا ہوا ہے سب کو گرا کر نئے سرے سے بنیاد حجاج کے موافق بنا دیا۔ اور اندر سنگِ مرمر کا فرش بنا کر اندر کی دیواروں میں بھی سنگ مرمر لگا دیا۔ اور ایک عمدہ لکڑی کے دو صف ستون ایک ایک صف میں تین تین ستون اور چھت پر نفیس ترین مخملی چھت گیری اور اوپر سے گچ شدہ تیار کروایا۔ باہر کی دیواریں سنگ خارا میں چونے سے چنی ہوئی ہیں۔ جن کی لپائی وغیرہ نہیں ہوئی ہے اور تمام دیواروں پر ریشمی سیاہ پردہ پڑا رہتا ہے جس پر بخط ثلث کلمہ طیبہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه'' لکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر ابتدائے اسلام میں اسکی یہ حیثیت نہ تھی (جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا) سادہ پارچہ جو میسر ہوتا چڑھا دیا جاتا۔ چنانچہ ۹ھ میں خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی باریک چادروں کا غلاف چڑھایا تھا۔ اور ان چادروں کی قیمت بیت المال سے ادا فرمائی تھی۔ اسی طرح حضور کے بعد خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی بیت المال سے ہی اس خدمت کو انجام دیا۔ حضرت فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ ہر سال نیا غلاف چڑھاتے اور پرانا اتروا کر حجاج میں تقسیم فرما دیتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں بھی یہی حالت رہی لیکن ایک مرتبہ آپ نے غلاف کعبہ کا ایک ٹکڑا ایک حائضہ عورت کے بدن پر دیکھا تو خیال فرمایا کہ غلاف کا تقسیم کرنا اس کی توہین کا باعث ہے پھر پرانے غلاف اتروا کر زمین میں دفن کئے جانے لگے۔ بعد ازاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں غلاف کے متعلق زیادہ اہتمام ہونے لگا اور سال بھر میں دو دو چار چار غلاف بھی چڑھنے شروع ہو گئے۔ پرانے غلافوں کے دفن کرنے پر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور یہ معاملہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حضور میں پیش ہوا۔ جس کی نسبت حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ پرانے غلاف کو

Marfat.com

بند ہوا۔ مگر اب اس وقت نہایت بہتر طریق پر بنے سے موجود ہے۔ سنگِ مرمر کا اس پر قبہ ہے۔ اور ارد گرد جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ گویا ایک عمدہ کوٹھڑی ہے۔ جس کو ایک دروازہ ہے۔ اس سے اندر جا کر لوگ پانی بھرتے ہیں۔ آبِ زمزم ذرا کھاری لذت رکھتا ہے اور ہر مرض کا علاج ہے بشرطیکہ تازہ نکلوا کر کنوئیں کے پاس کھڑا ہو کر پیئیں اور پیتے وقت نظر کعبہ مبارک پر رکھیں۔ فقیر کے ایک مخلص دوست حاجی چوہدری کرم الٰہی صاحب نے اپنا قصہ یوں بیان فرمایا کہ مجھے مدت العمر سے درد گردہ کی سخت شکایت تھی اور ہمیشہ تکلیف دیتا تھا۔ مگر اسی مسئلہ کو ایک کتاب میں پڑھ کر میں نے آبِ زمزم تازہ نکلوا کر کعبہ شریف زادہا اللہ شرفاً و تعظماً کو نگاہ رکھتے ہوئے پیٹ بھر کر پیا۔ اس کے بعد مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ اس وقت کے بعد تا دمِ تحریر کتاب ہذا سات سال ہوئے۔ قطعاً کوئی اور کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔

ان بیان کردہ ضروری کوائف کے علاوہ اور بہت سے متبرک مقامات ایسے ہیں۔ جن کی تقدیس اسی کعبہ مکرمہ کی وجہ اور بعض بعض خصوصی برکات کی بنا پر ہے۔ جن کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ مثلاً کوہِ صفا و مروہ، جبلِ ابوقبیس، جبلِ ثور، جبلِ نور، غارِ حرا، غارِ ثور مسجد انشقاق القمر، مسجد مشعر الحرام، مسجدِ نمرہ، مسجد منحر النبی، مسجدِ الکبش، مسجد خیف، مسجد العقبہ، مسجد مجتبٰے، مسجد الجن، مسجد الاجابۃ، مسجد الشجرہ، مسجد بوقبیس، جنت المعلی، مسجد بلال وغیرہ۔ مولا کریم مومنین کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ ظاہری زیارت سے ان کو پائیں اور کعبۃ اللہ کے دیدار پر انوار سے دلوں کو ٹھنڈا کریں۔ آمین

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شاہسوارِ عرب مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و زخورشید نشانم دادند

کلامِ پاک کی وہ آیت جسے آیت معراج فرمایا گیا ہے۔ اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ہر قسم کی مجبوریوں اور تعطل و بیکاری و ہر قسم کی خامیوں اور عیوب سے منزہ وہ پاک خدا ہے جو اپنے عالی درجات والا صفات بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات یا رات کے بعض حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک اپنی نشانیاں دکھانے کو لے گیا۔ کلام الٰہی کی اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا محض اشارہ ہی بیان فرمایا ہے مگر خود سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا محض اشارہ ہی بیان فرمایا ہے مگر خود سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بے مثال معجزہ اور بے نظیر واقعہ کا مفصل حال احادیث میں مشرح بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ بیت الحرام سے براستہ نخلستان طیبہ۔ مدینہ منورہ (کہ جہاں چند دنوں کے بعد آپ ہجرت کر کے تشریف لے جانے والے تھے) اور طور سینا پہاڑ کہ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مولا کریم سے ہم کلام ہوئے تھے۔ اور بیت اللّحم جہاں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اور دیگر متبرک مقامات پر ہوتے اور دو دو رکعت نفل ادا کرتے ہوئے بیت المقدس تشریف لے جانا۔ بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں کو طے کر کے عرشِ اعظم پر جلوہ ریز ہونا خداوند جل وعلا شانہ، کا دیدار پانا۔ احادیث سے کامل طور پر محقق ہوتا ہے اور اس باب میں احادیث صحیحہ مشہودہ وارد ہیں جو بحدِ تواتر پہنچی ہیں۔ چنانچہ تیس صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے واقعہ معراج کو حدیث میں روایت کیا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذی النورین، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ

Marfat.com

بن اوفی، عبداللہ بن عامر، ابوذر غفاری، ابوایوب انصاری، جابر بن عبداللہ انصاری، ابی بن کعب، خدیفۃ الیمانی، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عباس بن عبدالمطلب، انس بن مالک، مالک بن صعصہ، عمران بن الحصین، بلال حبشی، ابوایامہ باہلی، اسامہ بن زید، ابودارداء ہلال بن سعد، ابوسلیمہ، ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ، ام ہانی، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ہاں راویوں میں وقت وقوع معراج میں اختلاف ہے۔ اصل مسئلہ معراج میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبہ معراج شریف نبوت کے بارہویں سال یعنی ۱۲ ؁ نبوت کو ماہ رجب کی ۲۶ تاریخ اتوار کا دن گزرنے کے بعد ستائیسویں شب میں جس کی صبح کو دوشنبہ یعنی پیر کا دن تھا۔ حاصل ہوا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف باون سال ۴ مہینہ اور ۱۴ دن کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج ۱۷ تاریخ ربیع الاول میں پانچویں برس نبوت سے ہوئی۔ امام زہری سے مروی ہے کہ ایک برس پانچ مہینے پہلے ہجرت سے ہوئی۔ اس تقدیر پر شوال کی گیارہویں تاریخ آتی ہے۔ ایک روایت میں ۱۷ رمضان کی بارہویں سال بعثت سے ہے۔ اور ایک قول اصح میں ابن العاص سے ہے کہ رجب کی ستائیسویں تاریخ شب دوشنبہ بعثت سے بارہویں سال کا ذکر ہے اور اکثر علماء و محدثین اسی پر متفق ہیں۔ جبکہ عمر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکیاون برس آٹھ ماہ بیس روز کی تھی۔

الغرض حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس کو مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ نے یوں روایت کیا کہ جس رات مجھے بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ میں حطیم کعبہ میں تھا۔ خدا کی طرف سے نقیب بارگاہ الٰہی حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ اور میرا چوتھی بار شق صدر کیا گیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک ناف سے سینہ تک چاک کیا۔ اور آپ کے قلب مبارک کو نکال کر طشت طلائی میں آبِ زمزم سے دھویا۔ اور پھر ایمان و حکمت تجلیات سے معمور کر کے بدستور سینہ مطہر میں رکھ کر سی دیا۔

Marfat.com

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کعبہ سے معراج ہوئی۔ تو تین شخص آئے۔قبل اس کے کہ آپ پر وحی کی جاوے آپ مسجد حرام میں خواب میں تھے۔ پس پہلے شخص نے کہا وہ کون ہے۔ دوسرے نے کہا۔ وہ ان میں سے بہتر ہے۔ تیسرا بولا کہ بہتر کو لے لو پس اس پہلی رات میں یہی کیفیت ہوئی۔اور باتیں کرنے والوں کو نہ دیکھا گیا۔ پھر دوسری رات میں آئے درآنحالیکہ آپ کا قلب دیکھتا تھا۔اور آپ کی صفت یہ تھی کہ آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سویا کرتا اور تمام انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی حال تھا۔ کہ ان کی آنکھیں سویا کرتی تھیں اور دل نہیں سوتے تھے۔ پس فرشتوں نے آپ سے کچھ کلام نہ کیا۔اور آپ کو چاہ زمزم پر اٹھا لے گئے۔ پس جبرائیل نے بذاتِ خود متولی ہو کر آپ کا سینہ چاک کر دیا۔اور اندر سے دل نکال کر اس کو زمزم سے دھو کر صاف کر دیا۔ پھر ایک سونے کا طشت جس میں سونے کی لگن تھی لائے۔ اس میں ایمان وحکمت بھری ہوئی تھی۔اس سے آپ کا سینہ بھر دیا۔اور حلق کے عروق ملا کر جوڑ دیا۔اس سے آپ کو کسی قسم کی مطلق تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر حلہ نور بہشتی آپ کو پہنایا۔ اور سر اقدس پر وہ عمامہ باندھا جس کو رضوان داروغہ جنت نے پیدائش حضرت آدم علیہ السلام سے سات ہزار سال پہلے آپ ہی کیلئے خاص طور پر تیار کیا تھا۔اور جس کے گرد چالیس ہزار فرشتے ہر وقت تیار کھڑے تسبیح پڑھا کرتے تھے۔اور ایک نورانی چادر آپ کو اوڑھا کر نعلین پائے مبارک میں پہنائیں۔ جب اس کام سے جبرائیل علیہ السلام فارغ ہوئے تو ایک سفید رنگ کا جنتی مرکب جو ڈیل ڈول میں خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا۔ جس کو عرفِ عام میں براق کہتے ہیں اور جو اپنا قدم اپنی حدِ نگاہ پر رکھتا تھا خدمت عالی میں پیش کیا۔اس کی پیشانی پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔امام احمد رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ براق میرے پاس لایا گیا۔ وہ چوپایہ سفید ہے۔ گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا۔ اور اپنا قدم وہاں رکھتا ہے۔ جہاں اس کی انتہائے نظر ہوتی ہے۔ میں اس پر سوار ہو کر بیت

Marfat.com

المقدس آیا۔ اور چوپایہ اس حلقے سے باندھا جس میں انبیاء علیہم السلام باندھتے تھے۔ ایک اور روایت میں امام احمد رضی اللہ عنہ نے من طریق قتادہ ام انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت کی ہے۔ کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اسراء ہوا۔ آپ کے پاس براق لایا گیا۔ اس پر ساز وسامان زین لگام وغیرہ آراستہ تھا۔ آپ نے سوار ہونا چاہا تو اس نے شوخی کی۔ پس جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ تجھے کیا سوجھی۔ پس واللہ تجھ پر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر بزرگی والا سوار نہیں ہوا۔ پس براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی۔ اور آپ کو سوار کیا۔ باقی ملائکہ نور کی مشعلیں روشن کیے ہمرکاب چلے۔ حضور نے لگام کھینچنے کا قصد فرمایا تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس کو چھوڑ دیجئے۔ یہ مامور ہے۔ جانتا ہے جہاں جانا ہے۔ آپ نے لگام چھوڑ دی۔ اور وہ رواں ہوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ راستہ میں اگر کوئی آواز سنائی دے تو التفات نہ فرمایئے۔ اور کسی کے پکارنے کا جواب نہ فرمایئے۔ جب حضور نے تھوڑی راہ طے کی تو داہنی جانب سے کسی نے پکارا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلدی نہ کر تو راہ بھول گیا ہے۔ آپ نے بموجب وصیت جبرائیل علیہ السلام کے التفات نہ فرمایا۔ پھر اسی طرح سامنے سے اور پشت سے آواز آئی۔ لیکن حضور خاموش رہے۔ آگے روانہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک بڑھیا راستہ کے کنارے پر کھڑی ہے۔ پوچھا جبرائیل یہ کون ہے۔ عرض کیا کہ چلے چلئے۔ وہاں سے چل کر آگے گئے تو دیکھا کہ راستہ سے ہٹی ہوئی ایک چیز آپ کو بلاتی ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آؤ۔ پھر بھی توجہ نہ فرمائی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک خلق نے ملاقات کی اور بولے۔ اسلام علیک یا اوّل۔ السلام علیک یا آخر۔ السلام علیک یا حاشر۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ سلام کا جواب فرمایئے آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر روانہ ہوئے تو دوبار اور سہ بارہ ایسی ہی ملاقات ہوئی۔ ایک مقام پر جبرائیل نے عرض کیا کہ یہاں ٹھہریئے اور اتر کر دوگانہ نفل ادا کیجئے۔ حضور کہتے ہیں۔ میں نے وہاں نماز پڑھی۔ جبرائیل کہنے لگے۔

Marfat.com

آپ جانتے ہیں آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے۔ یہ مقام طیبہ ہے۔ جہاں آپ ہجرت کر کے آئیں گے۔ آگے روانہ ہوئے تو ایک دوسرے مقام پر جبرائیل نے کہا کہ اتر کر نماز پڑھیئے اور بتلایا کہ یہ طور سیناء ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا تھا۔ پھر اسی طرح ایک تیسرے مقام پر فرمایا کہ یہاں بھی اتر کر نماز دوگانہ ادا فرمایئے۔ کہ یہ مقام بیت اللحم ہے۔ جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ یہاں ایک نکتہ اہل محبت کیلئے ہے کہ وہ مقام جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہو۔ وہاں جبرائیل علیہ السلام سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے دوگانہ نماز برکت کیلئے اور اس مقام کی تعظیم کے واسطے پڑھواتے ہیں۔ مگر آج اس امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ناپاک خیال افراد خود اس مقام کو پلید اور گندہ سمجھتے ہیں۔ جہاں نبی الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر تشریف لائے تھے۔ یعنی مقام مولد النبی علیہ السلام کو اس لئے گرا دیا گیا ہے۔ کہ یہ ناپاک جگہ ہے۔ اور یہاں سے برکت حاصل کرنے والے حاجی لوگ یہاں کیوں نفل پڑھتے ہیں اور اس ادائیگی نوافل کا نام سراسر شرک رکھا گیا۔ کیا ایسے مسلمانوں میں ایمان کی رتی باقی رہتی ہے۔ جو مولد النبی علیہ السلام کو ناپاک جگہ کہہ کر اپنی توحید پرستی کا اعلان کرتے ہیں۔ خدا ان کو فہم تکریم نبی عطا کرے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ براق کی سواری کے وقت بھی آپ نے نافرمان امت کو فراموش نہ فرمایا۔ اور براق کو دیکھ کر چشمان مبارک میں آنسو آ گئے۔ اور جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ شرط احسان اور طریقہ شفاعت یہ نہیں کہ اس وقت اپنے مولا کریم کو اپنے پر مہربان دیکھ کر خوشی خوشی براق پر سوار ہو جاؤں اور اپنی امت عاصی کو بھلا دوں۔ اے جبرائیل جب تک میری امت کے متعلق میرا مولا مجھے کوئی بشارت نہ فرمائے گا۔ ہرگز براق پر سوار نہ ہوں گا۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حکم باری ملا۔ کہ اے رحمۃ للعلمین آپ اپنی امت عاصی کا غم نہ کھائیں۔ جس طرح آج آپ کی سواری کیلئے در دولت پر براق بھیجا گیا ہے۔ اسی طرح کل قیامت کے دن آپ کے ہر امتی کی قبر پر بھی بُراق بھیجوں گا۔

Marfat.com

جو آپ کی سچے دل سے پیروی کرنے والا ہوگا۔ اور دم زدن میں راہ پل صراط طے کرا کے سب کو جنت الفردوس میں داخل کروں گا۔ اس خوشخبری کے پاتے ہی حضور سوار ہو گئے۔ کیا اس محبت کا صلہ یہ ہے کہ امت حضور کی شان میں کلام کرنے کو بھی مشرکانہ فعل قرار دے۔ لا حول ولاقوۃ الا باللہ۔ القصہ آپ آگے روانہ ہوئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ وہ بوڑھی حسین عورت جو بناؤ سنگار کئے ملی تھی وہ دنیا تھی۔ اگر آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے تو آپ کی تمام امت دین داری چھوڑ کر دنیا پرست ہو جاتی۔ اور جس بڈھے شخص نے آواز دی تھی وہ شیطان تھا۔ اگر آپ اس کی آواز پر جواب فرماتے۔ تو آپ کی امت اس کے دام فریب میں پھنس کر گمراہ ہو جاتی۔ غرضیکہ آپ بہت سے عجائبات ملاحظہ فرماتے ہوئے اعلیٰ شان و تجمل کے ساتھ مسجدِ اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں پہنچے۔ ہم نے بعض واقعاتِ سفر بیان نہیں کئے جن کا تذکرہ حضور علیہ السلام کی معراج سے واپسی میں کریں گے۔ بیت المقدس میں آپ پر پانی۔ شراب اور دودھ کے تین پیالے پیش کئے گئے۔ آپ نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ تو جبرائیل نے کہا کہ آپ نے فطرت پائی۔ اگر آپ پانی لیتے تو امت غرق ہو جاتی۔ اگر شراب لیتے تو بے عقل اور گمراہ ہوتی۔ پھر آپ کے واسطے حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام مع جمیع انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور آپ کا براق اس حلقہ سے باندھا گیا جس میں انبیاء علیہم السلام باندھتے تھے۔ جو آج بھی باب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہے۔
جس وقت آپ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو فوراً پہلے دو رکعت نماز نفل تحیۃ المسجد ادا فرمائی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے کہنے پر آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو امام بن کر نماز پڑھائی۔ یہ نماز بھی نفل ہی تھی۔ تمام انبیاء نے آپ کی اقتداء کی اور بعد نماز انبیاء علیہم السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مرتبہ معراج کی مبارک باد دی۔ اور بولے کہ اے نبی مکرم اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ آپ کو عطا فرمایا ہے۔ انبیاء میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔
اللھم صلِّ علےٰ سیّدنا محمد و علےٰ اٰل سیّدنا محمّد وبارك وسلّم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

تاریخ بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ

دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو انقلاب زمانہ سے محفوظ ہو۔ خواہ وہ ایوان شاہی ہوں، یا معبد، فقیر کی جھونپڑی ہو یا مہمانسرائے، یہ انقلاب ہر ایک کو حاوی ہے قدامت و عظمت کے اعتبار سے جن آبادیوں کو صدہا انقلابوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ان میں سے جو شرفِ تقدم بیت المقدس کو حاصل ہے۔ دنیا کی کسی دوسری بستی کو حاصل نہیں جس قدر خوفناک طوفان اس پر آئے۔ اور جس قدر انقلاب کی بجلیاں اس پر کوندیں ہیں۔ ان کی نسبت سے یہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کی بہار و خزاں کی منزلیں انگنت ہیں گو صدیوں کی غارتگریوں نے اس کو مٹانا چاہا۔ مگر پھر بھی یہ ہزار ہا سال سے دنیا کے نقشے میں اپنی پوری سطوت و شان کے ساتھ موجود ہے۔

چونکہ مسجدِ اقصیٰ کا ذکر آیت معراج میں واقع ہے۔ جس کو بیت المقدس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کی بھی مختصر سی تاریخی حیثیت واضح کر دیں تا کہ شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں تشریف لے جانا ذہن نشین ہو کر مخالفین کے شبہات کو دور کر سکے۔ مسجد اقصیٰ یا بیت المقدس اس مسجد کا نام ہے۔ جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ اور اہل کتاب اس کو ہیکل کہتے رہے ہیں یہ شام کی پہاڑیوں میں مرتفع سطح پر آباد تھی۔ جس کے ارد گرد سر سبز و شاداب جنگل اور سامنے صحرائے عرب اور بحر روم دکھائی دیتے اور اس کا یہ محل وقوع شہرت و عظمت میں بہت اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ اس مقدس گھر کی تمام برکات شہر یروشلم ملک فلسطین میں رہیں۔ جس کو یہودی ارضِ مقدس یا کنعان کہتے ہیں۔ جغرافیہ فرہاد کے صفحہ ۴۲۲ میں ہے۔ کنعان اسم قدیم شام است الآخر۔ کنعان شام کے اس حصے کا نام ہے جس کے سیلون نام گاؤں میں جو سجل اور نابلس کے درمیان واقع تھا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام اس میں سکونت

Marfat.com

پذیر تھے۔ اور یہیں وہ کنواں بھی ہے۔ جس میں بھائیوں کی بے مہری سے حضرت یوسف علیہ السلام ڈالے گئے۔ زمانہ قدیم میں اس ملک پر بابل اور نینوا کے سلطان حکمراں تھے۔ شاہانِ نینوی کے عہد میں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اصلی وطن سے ہجرت کر کے شام میں آئے تھے۔ مگر بعض مورخین یوں بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے بیت المقدس پر مصریوں کا قبضہ ہوا اور سولہویں صدی سے لے کر بیسویں صدی قبل مسیح تک بحرِ روم کے گردوپیش ممالک پر مصری پرچم اقبال ہی لہراتا رہا۔ اور سرزمینِ کنعان بھی ان ہی کے زیر اقتدار تھی۔ مصریوں کے زوالِ حکومت کے بعد اس پر طوائف الملوکی کا زمانہ آیا۔ اور اس پر کوئی منظم سلطنت قابض نہ ہوئی۔ بلکہ ایک اور قوم کا دور دورہ رہا۔ جو اموری نام سے مشہور تھی۔ اور صنعت وزراعت یا دیگر ذرائع معاش سے اتنا ہی معمولی تعلق رکھتی تھی کہ اپنی ضروریات کو پورا کر سکے۔ یہاں کے باشندے موریہ پہاڑ کی نسبت سے موریہ یا اموری کہلاتے تھے۔ یہ شہر یروشلم کہ جس میں مسجد اقصیٰ یا ہیکل سلیمانی واقع تھی بحیرہ روم سے تینتیس میل کے فاصلہ پر سمندر کی سطح سے دو ہزار پانچ سواڑتیس فٹ بلندی پر واقع تھا اور قبائل حیوسی یا اموری کے ماتحت کئی صدیوں تک آباد رہا۔ کچھ دنوں بعد کنعان کا ستارہ چمکا اور وہاں ایک مستقل حکومت کا قیام ہو گیا۔ اور پھر ایک فرمانروائے کنعان نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور اپنا تسلط قائم کر لیا۔ جب ان کا پرچم اقبال بھی سرنگوں ہو گیا۔ تو ان سے تقریباً دو سو سال بعد یہود آ کر اس مقام میں آباد ہونے شروع ہوئے مگر ان کی یہ آبادی کوئی فاتحانہ نہ تھی۔ بلکہ عام ساکنین رعایا کی سی تھی۔ عیسائی مورخین نے لکھا ہے کہ شہر یروشلم کا پہلا آباد کار یا بانی ملک صدق تھا۔ جس کا ذکر کتاب پیدائش کے باب ۱۴ درس اٹھارہ میں یوں ہے کہ ملک صدق سالم کا بادشاہ تھا۔ اور اکثر سمجھتے ہیں کہ یہی اس شہر کا اصلی نام ہے۔ آباد ہونے کے سو برس بعد اس کو یبوسیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور شہر پناہ کو بڑھایا۔ پھر کوہ صیہون پر ایک قلعہ بھی تعمیر کیا اس کے بعد اس شہر کا پہلا نام بدل کر یابوس رکھا گیا۔ اور یہی بعد کو یبوسلم اور بگڑ کر یروشلم ہوا جو آج تک مشہور ہے۔ یشوع کی کتاب کے باب دس آیت

Marfat.com

تیرہ میں لکھا ہے کہ جب یشوع نے کنعان پر حملہ کیا اور یروشلم کے بادشاہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس وقت سے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک یہودی اور یبوسی اکٹھی زندگی بسر کرتے تھے اسی زمانہ میں حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک لشکر جرار کے ساتھ یروشلم پر حملہ کر دیا۔ اور خونریز جنگ کے بعد بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ وہ یبوسی جو بڑے عرصہ تک اس کو اغیار کی دستبرد سے بچاتے رہے۔ بالآخر وہ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر ذلت سے مغلوب ہو گئے۔ بک آف کرانیکلز میں لکھا ہی کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کے لشکر عظیم سے یروشلم پر حملہ کیا۔ تو یبوسیوں نے کہا کہ آپ ہمارے ملک پر قبضہ نہ کریں۔ اور واپس تشریف لے جائیں۔ حضرت داؤد نے ان کی ایک نہ سنی۔ اور زبردست حملہ کرنے کے بعد زیون کے قصرِ شاہی پر قابض ہو گئے۔ اور نئی بادشاہت کی بنیادیں استوار کیں۔ زیون کا قصر شاہی ان کی آرام گاہ اور یروشلم دارالسطنت تھا یہی وجہ ہے کہ یہ شہر حضرت داؤد کا شہر بھی کہلاتا ہے۔

گو یہ شہر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے نہایت پُر رونق اور باتجمل تھا۔ لیکن اس کی تقدیس قدیم سے ہی سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ حسب اعتقاد اہل کتاب یہ وہ متبرک مقام تھا جہاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسحٰق کی قربانی کی تھی۔ اور اسی سرزمین پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے خدا سے خواب میں باتیں کی تھیں پھر اسی جگہ خداوند تعالیٰ کے حکم والہام سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد (ہیکل) بنائی جو ہزارہا انبیاء علیہم السلام کا قبلہ اور زیارت گاہ رہی۔ اور اسی کا قرب وجوار انبیاء کا مدفن اور موردِ برکات ہے۔ تمام اہل کتاب اب تک اس کی وادی یہوشفات میں دفن ہونا موجب نجات خیال کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے بھی بیت المقدس کی جانب رخ کر کے ایک مدت نماز ادا فرمائی اور شبِ معراج میں اسی جگہ تشریف لا کر آسمان کی طرف صعود فرمایا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں اس شہر کی ترقی اس حد تک ہوئی کہ یہ عروس البلاد کہا گیا۔ دنیا میں اس وقت سب سے بڑا سب سے مشہور، سب سے آباد، خوبصورت،

Marfat.com

اور متمول، اگر کوئی شہر تھا تو بیت المقدس تھا۔ اس کے بعد پھر دور انحطاط شروع ہوا۔ چنانچہ عرب اور قرب و جوار کی اقوام نے اس پر متعدد حملے کئے۔ اسیریا اس وقت ایک عظیم الشان سلطنت تھی جس کے تخت پر سینا چیرب بڑی شان و شکوہ سے حکومت کر رہا تھا۔ جس نے ۷۰۳ء سے لے کر ۷۸۰ء تک فرمانروائی کی اس کے مظالم گرد و نواح کے ممالک کو ایک قہر خدا تھے۔ یہ اپنے ملک سے نکل کر بیت المقدس پر حملہ آور ہوا۔ اور تمام شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مسٹر بائرن لکھتے ہیں کہ یہ اسیرین یہاں اس طرح آئے جس طرح ایک خونخوار بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ میں گھستا ہے جو سامنے آیا قتل ہوا۔ محصورین پر ایک خوف و ہراس طاری تھا۔ انہوں نے اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کو بارگاہ الٰہی میں نہایت خشوع وخضوع سے التجا کی در اجابت کھل گیا۔ حریف کے ایک لاکھ پینسٹھ ہزار سفاک لشکر میں ایک نا معلوم خفیف سی وبا پڑی۔ جس سے ایک ہی رات میں تمام محاصرین کا خاتمہ ہو گیا۔ سینا چیرب خود ڈر کر بھاگ نکلا۔ مگر اثر پا چکا تھا۔ اس لئے وہ بھی بہت جلد قبر میں جا لیٹا۔ اور اس کے آخری سانس کے ساتھ اس کی عظیم الشان سلطنت کا چراغ بھی گل ہو گیا۔ اس کے بعد ایک صدی کے اندر اندر عراق میں کلدانیوں کی ایک پر شکوہ سلطنت قائم ہوئی۔ جو مشرک اور ستارہ پرست قوم تھی۔ جن کا دارالسلطنت شہر بابل اور حکمران بخت نصر تھا۔ پھر ۵۸۶ق میں بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا جس کے مقابلے میں بنی اسرائیل بھی پوری جرأت کے ساتھ ڈٹ گئے۔ اور دو برس تک محاصرہ رہا۔ مگر رسد کی قلت نے آخر بنی اسرائیل کو مغلوب کرا دیا اب یہ محصورین بخت نصر کے رحم پر تھے۔ اس نے دل کھول کر انتقام لیا۔ شہر کو فتح کرنے کے بعد ایکونیاہ جو تخت کا مالک تھا اور اس کی ماں اور دیگر بیگمات۔ امراء کو حراست میں لے کر ایکونیاہ کی آنکھیں نکلوا دیں اور اس کے بیٹوں کو شاہراہِ عام پر کھڑا کر کے سولی دے دی۔ کئی روز تک شہر میں قتل عام ہوتا رہا۔ اور آخر ایکونیاہ کے عزیزوں میں سے ایک شخص صدقیاہ کو فرمانبرداری کا عہد لکھ کر حکومت دے گیا۔ اور مقتول و مظلوم شاہی خاندان سے بہت افراد کو غلام بنا کر خواجہ سراؤں میں داخل کر لیا۔ ان اسیروں کی صف میں حضرت

Marfat.com

دانیال علیہ السلام اوران کے تین رفیق بھی تھے۔ بخت نصر جب واپس ہوا تو بیت المقدس ایک کھنڈر تھا نہ کوئی معبد اور نہ کوئی نسخہ کلام الٰہی چھوڑا۔ مسجد اقصیٰ میں آگ لگادی۔ چالیس ہزار یہودیوں کو ساتھ لے گیا۔ اس نے یہودیوں کے مٹانے میں تو کوئی کسر نہ اٹھارکھی۔ لیکن محض اتفاق سے ایک یہودی لڑکی اپنے حسن و جمال کی فراوانی کے باعث اس کے محل میں داخل ہو کر اس کی محبوب ترین ملکہ بن گئی جس کی سفارش پر ایک طویل عرصہ (۷۰ برس) کے بعد ان غلام یہودیوں کو آزادی ملی۔ الغرض بیت المقدس سے بخت نصر کا واپس ہونا تھا کہ گردونواح کے سرداروں نے اپنی دوستی اور بخت نصر کی بغاوت پر آمادہ کرنے کو سفیر بھیجنے شروع کر دیئے۔ ادھر شاہِ مصر نے ہمت دلائی اور یہ حکمران صدقیاہ اپنی سلطنت کے نویں سال بخت نصر کے خلاف ہو گیا۔ چنانچہ دو برس بعد بخت نصر کے مقابلہ میں ہزیمت کھا کر بھاگا۔ اور گرفتار ہو کر ایلہ شہر میں قید کر کے بھیج دیا گیا۔ بعض مورخین نے اس کو ہزنیکیاہ کے نام سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں اور اس کی اولاد کو سولی دے دی گئی۔ اسی کے وقت میں ہیکل منہدم ہوئی۔ اور یہ حادثہ حضرت مسیح علیہ السلام سے بقول اکثر مورخین پانچ سو چھیاسی برس قبل گزرا ہے۔ یعنی ہیکل اپنی تعمیر کے چارسو پندرہ برس بعد برباد ہوئی۔ جب شاہانِ بابل کا ایران کے بادشاہ خسرو کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا۔ تو بیالیس ہزار یہودی جن میں یشوع سردار کاہن اور زوربابل بھی تھے۔ پھر اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔ اوران کو شہر اور ہیکل کی تعمیر کیلئے اجازت دے کر معہ اس اسباب ہیکل کے جو بخت نصر کے خزانہ سے دستیاب ہوا واپس بھیج دیا گیا۔ یہاں پہنچ کر بنی اسرائیل نے اس کی دوبارہ تعمیر شروع کی تو لوگوں کی غمازی سے کمبیس نے روک دیا۔ یہ تعمیر اسی ناتمام صورت میں نو برس رکی رہی۔ پھر شاہ دارا نے اس کی اجازت دی۔ اور ہیکل سات برس میں اپنی اصلی وضع پر تیار ہو گئی۔ ہیکل کے دوبارہ تعمیر کرنے میں زوربابل بن سلتائیل اور یوشع بن صدق نے بصورت مہتمم بہت کام کیا۔ تعمیر کے اخراجات اور لکڑی پتھر کی مدد شاہ ایران سے ملتی تھی۔ ہیکل کی تیاری کے بعد بنی اسرائیل نے خوشی منائی، قربانی

Marfat.com

کی، اور حمدِ الٰہی کے ترانے گائے۔ نوعمر لوگ ہیکل کی خوشی میں نعرے مارتے اور سن رسیدہ لوگ ہیکل قدیم کو یاد کر کے روتے تھے۔ اس کے بعد ۳۲۰ ق م میں سکندر جب اپنے دارالسلطنت مقدونیہ سے خروج کر کے مشرقی ممالک پر حملے کی غرض سے نکلا اور اسی سلسلہ میں فارس، مصر، اسیریا، عراق، فلسطین کو بھی پامال کرتا ہوا بیت المقدس پر جا پڑا۔ تو یہودی چونکہ پہلے ہی حالات سے خوفزدہ تھے۔ سکندر کے آتے ہی انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور اس طرح تباہی سے بچنے کی سعی کی گئی۔ مگر مقدر ان کا ان کے خلاف تھا۔ ابھی بارہ سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ مصریوں نے اس پر یورش کی اور قبضہ کر لیا۔ اہالیانِ شہر نے ہر چند مصالحانہ رویہ اختیار کیا مگر انہوں نے قابض ہونے کے بعد اس کے ایک حصہ کو منہدم کر ہی دیا۔ اس کے بعد ایک صدی امن سے گزر گئی۔ پھر سکندر کے بعد ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور اینٹوگونس نامی ایک شخص نے سکندر کی وفات کے تئیس برس بعد شہر انطاکیہ آباد کر کے اس کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ یہ سلطنت یونانی مشہور ہوئی۔ اور اس خاندان کے بادشاہ انیٹوکس کہلاتے تھے۔ ان کی اور مصر کے بادشاہوں اٹالمی خاندان کی آپس میں ہمیشہ لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ یہودی بیچارے ان دو پتھروں میں پیا کرتے تھے۔ آخرکار انیٹوکس چہارم کا تسلط یروشلم ہو گیا۔ پھر اس کے بعد اس کا بھائی سیون اپنے بھائی پر حملہ آور ہوا اور حضرت مسیح سے ایک سو ستر برس بیشتر بیت المقدس پر چڑھ آیا۔ ہزارہا یہود کو قتل کرنے کے علاوہ ہزاروں کو قید کر کے بھی لے گیا۔ اور ہیکل کی سخت توہین کی۔ اس کے بعد اس نے مصر پر حملہ کیا۔ جس میں یہود نے شاہِ مصر کی طرفداری کی اور ان کی اعانت سے شاہ مصر کامیاب رہا۔ اور شاہ انطاکیہ شکست کھا کر پسپا ہو گیا۔ تب اس نے یہودیوں سے اس طرفداری کا انتقام لینے کی غرض سے اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ بیت القدس (جو یہودیوں کا مسکن اور متبرک مقام ہے) کو برباد کر دے۔ چنانچہ اس نے آ کر قتل عام کیا۔ اور شہر میں آگ لگانے کے علاوہ بہت سے حصے کو تباہ کر دیا۔ مگر اس کی دستبرد سے ہیکل کو ضعف نہ پہنچا۔ پھر انیٹوکس کا انطاکیہ پہنچنے پر یہ خبط سمایا کہ سب لوگوں کو اپنے مذہب بت

Marfat.com

پرستی پر چلاوے چنانچہ اس نے اپنے نائب اسینیوس کو (جسے اپی فانس بھی کہا گیا ہے) یہودیوں پر حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ اور حکم دیا کہ جس مذہب والے بت پرستی نہ کریں۔ ان کو قتل کر دیا جائے۔ جنرل اپپی فانس نے بیت المقدس پہنچ کر چند بے دین یہودیوں کو اپنا شریک کر کے عوام کو بت پرستی پر مجبور کیا اور تمام کتب یہود کو تلاش کر کے جلا دیا اور ہیکل میں شطرنج نما مورتی بنا دی پھر جس نے اس کے حکم کی تعمیل کی وہ جان بر ہوا ورنہ قتل کر دیا گیا۔ پھر مسیح سے ایک سو سرسٹھ برس قبل اسمونی خاندان کا ایک بوڑھا کاہن جس کا نام متاتھیس کہا گیا ہے۔ اپنے پانچ بیٹوں یوحنا۔ شمعون، یہودا، ایلعاذر، یونتان کو ہمراہ لے کر یروشلم سے بھاگ نکلا۔ اور اپنے اصل وطن شہر مودن میں آ رہا۔ یہاں بھی انیٹوکس کے آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مقابوس نے اپنی منتشر قوتوں کو جمع کیا۔ اور مخالفین کو پے در پے شکستیں دے کر ان کے ہاتھ سے بیت المقدس کو آزاد کرا لیا۔ تمام تربت توڑ ڈالے۔ اور بت پرستوں سے وہی سلوک کیا جو انہوں نے اپنے عروج کے وقت توحید پرستوں سے کیا تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس کی دو کتابیں مقابیس اول و مقابیس ثانی عبرانی زبان میں تصنیف شدہ یونانی و سریانی اور رومن کیتھلک عیسائیوں کی مذہبی اور آسمانی کتب کے مجموعہ میں شمار کی جاتی ہیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد رومیوں نے زور پکڑا جس کا پایہ تخت شہر رومہ ملک اٹلی تھا۔ اور یہ سلطنت مظلوم کی اعانت میں مشہور تھی۔ چنانچہ مقابوس نے سلطنت انطاکیہ کے ظلم و تعدی سے بچنے کیلئے رومیوں کے پاس اپنے ایلچی روانہ کیے اور اس نئی سلطنت سے اتحاد پیدا کر لیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ ڈیٹریوس گورنر انیٹیوکس نے یروشلم کو آ گھیرا۔ اور رومیوں کی جانب سے کوئی مدد نہ پہنچی تو مقابوس کو اس کے ہمراہی بھی جواب دے گئے آخر کار اکیلا مقابوس لڑ کر شہید ہو گیا۔ اس کے بعد مقابوس کا بھائی یونتان ذمہ دار تھا۔ جس نے یہودیوں کو غیار کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کی بڑی سعی کی۔ لیکن تھوڑے عرصہ میں شاہِ سریا کے ہاتھ سے شہر پطولیمس میں مارا گیا۔ اس کے بعد تیسرا بھائی مسمی شمعون قائم مقام ہوا۔ اور اپنے داماد کے ہاتھ سے یریسیو شہر میں جبکہ وہ کسی مہم سے واپس آ

Marfat.com

رہا تھا دغا اور فریب سے مارا گیا۔ اور اسکے ساتھ ہی قریباً قریباً اقتدار بھی ختم ہو گیا۔

پھر ۷۰ء میں رومی فرمانروا ٹیٹس ایک عظیم الشان لشکر لے کر بیت المقدس پر چڑھ آیا۔ اور شہر کا بڑی مضبوطی سے تین ماہ تک محاصرہ کیا۔ جس کی آبادی اس وقت بھی دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی یہودیوں نے بڑی شجاعت وجلاوت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور رومیوں سے جان توڑ کر لڑے۔ مگر ان کے اقبال نے ان کا ساتھ نہ دیا مورخ جوزیفین اس محاصرے کا یوں تذکرہ کرتا ہے کہ اس محاصرہ نے یہودیوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ اور وہ دوگونہ عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ باہر دشمن بھیڑیا صفت گشت لگا رہا تھا تو اندر قحط نے ہمتیں توڑ دی تھیں۔ اگر ان میں سے کوئی بھوک پیاس کی تکلیف اٹھا کر غذا کی تلاش میں نکلتا تو رومی محاصرین بھیڑیوں کی طرح اس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے۔ بعض کو شہر پناہ کے قریب جو ٹلٹکیاں لگا رکھی تھیں ان پر باندھ کر کوڑے لگوائے جاتے۔ بعض کو سولی چڑھا دیا جاتا اہل شہر کے کیلئے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن جو بھی بدحواسی سے باہر نکلا وہ ان کا شکار ہو گیا۔ ٹیٹس نے کئی باران کو فریب دیتے ہوئے کہلا بھیجا کہ مجھے خود تمہاری حالت پر رحم آتا ہے کہ تم سخت مصیبت میں گرفتار ہو۔ اور تم نے ایسی صورت حالات اختیار کر رکھی ہے کہ تمہارا خوبصورت شہر اور عالیشان معبد (مسجد اقصیٰ) تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے۔ تم اپنے حال پر رحم کھاؤ۔ مگر بار بار اندر سے محصورین نے یہی جواب دیا کہ ہم غلام بن کر زندہ رہنا نہیں چاہتے۔ جب تک دم میں دم ہے برابر مقابلہ کریں گے۔ ادھر اہل شہر پر بھوک غالب ہو گئی اور ادھر شہر پناہ میں روزن ہو گیا۔

اب کیا تھا رومی اور وہی مہذب رومی جن کی تہذیب کے اب تک عیسائی دنیا گیت گاتی ہے۔ بھوکے شیر کی طرح یہودیوں پر جا پڑے۔ اور شہر میں قتلِ عام شروع ہو گیا۔ مسجد اقصیٰ کے اندر باہر کشتوں کے پشتے لگ گئے اور اتنی خوں ریزی ہوئی کہ مظلومین کا خون مسجد سے لے کر سیڑھیوں تک چڑھ آیا۔ مسجد اقصیٰ کی مطلا و مذہب جالیوں اور صدر دروازے میں آگ لگا دی جس سے تمام مسجد جل کر خاکستر اور تمام شہر تباہ ہو کر ایک کھنڈر رہ گیا۔

Marfat.com

اس کے بعد بھی یہود کی فتنہ پردازی اور شرارت کم نہ ہوئی۔ چنانچہ اس حادثہ کے چونسٹھ برس بعد آدریان (جس کو ہڈرین بھی کہا گیا ہے) نے اس کو ازسرنو آباد کیا اور یہودیوں کی خباثت باطنی کے باعث ان پر سختی کرنے لگا۔ اور حکم دیا کہ جو کوئی ختنہ کرے گا قتل کیا جائے گا۔ اسی دن سے عیسائیوں نے بھی بحکم پولوس رسم ختنہ کو ترک کر دیا تاکہ وہ بھی یہود کے شبہ میں نہ مارے جائیں ہیکل پھر برباد ہوگئی اور شہر کا نام ایلیہ رکھا گیا۔

پھر ۶۱۴ء میں خسرو پرویز شہنشاہ ایران نے اس پر دھاوا بول دیا اور بڑی بے دردی سے قتل و غارت کر کے ہیکل میں آگ لگا کر اور ہزارہا باشندوں کو غلام بنا کر ایران کو لوٹ گیا۔

بیت المقدس پر اڑھائی ہزار سال انہی تباہیوں اور بربادیوں میں گزرے کوئی قوم اور کوئی سلطنت دنیا میں شاید ہی ایسی ہوگی۔ جس کو اس پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی ہو۔ اور اس نے اپنی غارت گری کے تمام طریق اس پر ختم نہ کر دیئے ہوں۔ لیکن ان تمام حملوں سے آخری حملہ اس قوم کا ہے۔ جو دنیا کی اقوام میں نہایت باخدا، جری، مجاہد اور موت سے بے خوف قوم تھی۔ جس نے ۶۳۷ء میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اور خدا کے آخری پیغام کی تعمیل میں شاندار فتح بھی حاصل کی۔ مگر شہر میں اس طرح داخل ہوئی جس طرح نسیم سحری گلشن میں داخل ہوتی ہے نہ تو کسی معمولی سی معمولی عمارت کی ایک اینٹ گری اور نہ کسی کمزور سے کمزور انسان کی خون کا ایک قطرہ بہا۔ یہ حملہ بیت المقدس اور اہالیانِ شہر کیلئے کوئی بربادی و غارتگری کا پیغام نہ تھا۔ بلکہ باشندگان شہر کی قسمت کو مژدۂ جان بخش اور نوید فرحت افزا تھی وہ باوجود غلام ہونے کے ہر قسم کی پابندیوں اور ظالمانہ دستبرد سے آزاد ہو کر راحت و آرام اور انسانی بادشاہت کے صحیح مفہوم سے پہلی مرتبہ آگاہ ہوئے۔ اور سرزمین بیت المقدس نے مسیح علیہ السلام کے اس قول کے تصدیق کا اب یہ وقت پایا۔ جو انہوں نے فرمایا تھا کہ جب تک غیر قوموں کا وقت پورا نہ ہو۔ ہیکل یا یروشلم غیر قوموں سے روندی جائے گی۔ الآخر اس درس کا مطلب عیسائیوں نے یہ سمجھا ہے کہ بیگانہ قوم اس ہیکل یا یروشلم کو تعمیر نہ کر سکے گی۔ چنانہ نپولین قیصر غیر تھا۔ یعنی بت پرست۔

Marfat.com

اس لئے وہ آباد نہ کر سکا۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ جس آخری اور پیغام الٰہی کی ذمہ دار قوم نے اس کو تعمیر کیا۔ وہ بقول مسیح علیہ السلام غیر نہ تھی۔ بلکہ اللہ کی مقبول تھی اور وہ قوم مسلمان تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اسلام سے قطع نظر کرتے ہوئے مخالفوں کے سکوت کیلئے عیسائی مورخوں کی رائے سے اہل اسلام کا داخلہ بیت المقدس یہاں ذکر کر دیا جائے۔ تا کہ دنیا پرستوں کی ہوس رانی اور خونریزی کے مقابلہ میں ایک ہمدردِ بنی نوع انسان اور حق پرست قوم کے اعمال کا موازانہ ہو سکے۔

سرکار رسالت مآب کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خلیفۃ المومنین حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد تقرر خلافت ایک لشکر جمع فرمایا اور ۶۳۲ء میں ملک شام میں اعلائے کلمۃ اللہ کا قصد کیا اور یزید بن ابی سفیان کو امیر لشکر بنا کر بہت سی نصائح فرمائیں اور روانہ فرما دیا۔ شاہ ہرکلیس (ہرقل) نے اپنی رعیت کو لڑائی کیلئے بہت کچھ اشتعال دلایا۔ مگر وہ تمام سعی بے سود ثابت ہوئی یزید نے متواتر اپنی فتحیابی کی خبریں دربار خلافت میں پہنچا کر اپنی کارکردگی اور جانثاری کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد خلافتِ اسلامیہ کے دربار سے تسخیر بیت المقدس کے لئے ایک اور لشکر روانہ کیا گیا جس نے شہر بصرہ کو فتح کیا اور چار دن بعد ہی سر ان دمشق کی دیواروں پر پہنچ گئے۔ یہ شہر بھی بڑا بارونق اور شام کا قدیم دارالخلافہ ہے۔ اہل اسلام سے مقابلہ ہوا۔ ان کی وہ فوجیں جو شام اور بیت المقدس کی فتح کے لئے پھیل چکی تھیں۔ ایزناڈن کے میدان میں مجتمع ہو گئیں۔ یونان کے ستر ہزار کار آزما جوان مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے صلح کے پیغاموں کو اس شرط پر کہ عرب واپس اپنی وطن کو لوٹ جائیں قبول نہ کیا اور لشکر کو جنگ کی ترغیب دے کر آمادہ پیکار کر لیا۔ طرفین میں گھمسان کا رن پڑا۔ یونانی پسپا ہوئے کچھ مارے گئے اور جو بچ رہے وہ دمشق اور قیصرہ کو بھاگ نکلے۔ اہل اسلام نے سونے چاندی کی صلیبوں اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ مورخین نے مقتولین کی فہرست میں پچاس ہزار عیسائی اور چار سو ستر مسلم شہداء کا تذکرہ کیا ہے۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دمشق فتح ہونے سے قبل ماہ جولائی

Marfat.com

۶۳۲ء میں انتقال فرمایا اور موت سے پہلے وصیّت فرمائی کہ میرے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے انکار کیا کہ مجھے اس کی آرزو نہیں ہے۔ لیکن خلیفہ اوّل کے ارشاد پر آخر قبول فرمالیا پھر آپ کے عہد میں لشکر اسلام نے شہر حمص اور بعلبک کو ۶۳۵ء میں فتح کیا اور یرموک ندی کے کنارے شاہ استنبول اور اس کے حمایتوں سے مقابلہ ہوا۔ رومی سواروں کے حملوں سے قریب تھا کہ مسلمان بھاگ جائیں۔ مگر قوم حمیر کی عورتوں کے ملامت کرنے سے پھر رگِ حمیت جوش میں آئی اور رومیوں کو تلواروں کی نوکوں پر دھر لیا بہت سے رومی میدان میں ڈھیر ہوئے بہت سے دریا میں ڈوب مرے باقی پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ چونکہ اب حلب و یروشلم نگہبان بجز اس مغلوب لشکر کے اور کوئی نہ تھا۔ اس لئے خلیفہ المؤمنین کے حکم سے بیت المقدس کا محاصرہ کیا گیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام لشکر کے ساتھ شہر کا محاصرہ کرلیا اور یروشلم کے رؤساء کو بدین مضمون ایک مراسلہ بھیجا۔ سلامتی اور مسرت ان لوگوں کو ہے جو راہِ راست پر چلیں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ ہم تم سے اس امر کی تمنا رکھتے ہیں کہ تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ۔ اور ہمارے بھائی بن جاؤ پھر ہم پر تم کو اور تمہارے بال بچوں کو ایذا دینا حرام ہوگا اور اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو ہم کو خراج دو اور ہماری پناہ میں رہنا اختیار کرو۔ اگر اس کو بھی قبول کرنے سے گریز کرو گے۔ تو تمہارے مقابلہ میں وہ لوگ آئیں گے جو تمہارے شراب پینے اور خنزیر کھانے سے شہید ہونے کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور ہم بغیر فتح کے انشاء اللہ تعالیٰ یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔

اس کے بعد مسلمان چار ماہ تک باوجود شدتِ سرما کے شہر کو گھیرے رہے۔ آخر پادری سوف رِدمینس نے شرطِ صلح کو قبول کیا اور کہا یہ پاک جگہ ہے۔ اس کو میں سوائے خلیفہ کے اور کسی کے سپرد کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ آخر قائد لشکر کی جانب سے خلیفۃ المومنین کو عرض کیا گیا کہ شہر کے محاصرے کا نتیجہ آپ کے تشریف لانے پر موقوف ہے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے مشورے سے خلیفۃ المومنین بسوئے بیت المقدس روانہ ہوئے۔ خلیفۃ

Marfat.com

المومنین کا یہ سفر باوجودیکہ دنیا کے اہم ترین مقاصد کے لئے تھا۔ مگر سادگی اور پاسداری مذہب میں اپنی نظیر آپ ہے جس کا نقشہ مورخ اوکلی نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ خلیفۃ المومنین نے پہلے تو مسجد میں نماز پڑھائی پھر بعد زیارت مزار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی جگہ پر مقرر فرمایا۔ اور چند رفیقوں کے ساتھ باہر نکلے جو تھوڑی سی دور سے واپس لوٹ آئے پھر آپ ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار ہوئے۔ دو تھیلے ساتھ رکھے۔ ایک میں جو کے ستو اور دوسرے میں کچھ کھجوریں تھیں اور لکڑی کی سینی یعنی طباق اونٹ کے پیچھے باندھ لیا پانی کا مشکیزہ آگے لٹکا کر روانہ ہو گئے۔ جس مقام پر شب باشی فرماتے وہاں سے صبح کی نماز پڑھ کر آگے چلتے اور ہمراہیوں کو مخاطب فرما کر خداوند عالم کی حمد وثنا فرماتے رہتے کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو گمراہی سے بچایا اور صراطِ مستقیم پر چلایا۔ مخالفوں پر غلبہ عطا کیا اور آپس میں محبت دی۔ تم بھی اس کا شکر کرو۔ کیونکہ جو شکر کرتا ہے۔ اس پر اللہ کی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ پھر طباق ستوؤں کا بھر کر بڑی فراخ دلی اور محبت سے اپنے مصاحبوں کے ساتھ تناول فرماتے۔ اسی سفر میں ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا۔ جس نے دو بہنوں سے شادی کر رکھی تھی آپ نے اس کو ایک کے ترک کرنے کا حکم دیا۔ پھر ایک شخص ریشمی لباس پہنے پیش کیا گیا۔ اس کو اس عیاشی کے لباس سے منع فرمایا۔ اور کئی ایک باجگزاروں کو دھوپ میں بیٹھا دیکھا۔ ان پر رحم فرما کر رہائی دی۔ اور اکثر علما کو رحمدلی کی تاکید فرمائی۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو نعرہ اللہ اکبر لگایا۔ اور ایک موٹی اون کے خیمہ میں زمین پر بیٹھ گئے۔ رئیس قوم نصاریٰ نے اپنے سرداروں سے کہا ان لوگوں سے بغیر آسمانی امداد کے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔ ان کے رسول علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ حلم وحیا وتابعداری کو عمل میں لاویں اور ان اوصاف سے ترقی پذیر ہو گئے۔ تھوڑے دنوں میں تمام تر قوانین پر ان کی شریعت کو غلبہ ہوگا۔ ان کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی اس کے بعد شرائط صلح منظور ہو گئیں اور شہر کے دروازے کھول دیئے گئے خلیفۃ المومنین معہ روساء نصاریٰ کے باتیں کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور عبادت گاہ سلیمان علیہ السلام پر خلیفۃ المومنین

Marfat.com

کے حکم سے ایک نہایت عمدہ مسجد تعمیر کرائی گئی۔ خلیفۃ المومنین کا قیام دس یوم تک وہاں رہا۔ پھر مراجعت مدینہ منورہ فرمائی۔ حضرت عمر خلیفہ ثانی رسول اللہ علیہ وسلم کی بنوائی ہوئی مسجد مدتوں قائم رہی اور ملک شام معہ اپنے اس مشہور شہر یروشلم کے آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ اتنی طویل مدت نہ تو بنی اسرائیل نے اس پر حکومت کی اور نہ کسی اور قوم نے۔ جس قدر رب العزت نے اہل اسلام کو مہلت دی۔ خلفاء اربعہ کے بعد تک شام میں دمشق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پایہ تخت قرار پایا۔ اور ایک عرصہ تک یکے بعد دیگرے بنی امیہ کے حکمراں ہوتے رہے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس کی اولاد میں سلطنت آئی۔ خلفاء عباسیہ ماموں رشید و ہارون رشید وغیرہ رحمہم اللہ نے اپنے عہد میں یورپ کے اور ملک بھی ماتحت کر لئے تھے۔ ان کا دارالسلطنت شہر بغداد تھا۔ ایران، عرب، مصر، شام سب ان کے ماتحت تھے۔ لیکن ۲۹۶ھ میں مصر میں ایک شخص مہدی نام نے خلفاء عباسیہ کے برخلاف اپنی خلافت قائم کی یہ شخص اپنے آپ کو امام حسین کی اولاد سے شمار کرتا تھا۔ اور یکے بعد دیگرے اس کی اولاد سے بھی چودہ خلیفے ہوئے۔ یہ سلطنت ۵۶۷ھ تک رہی اور اس کا آخری خلیفہ عاضدالدین اللہ ابو محمد عبداللہ تھا۔ جس کی خلافت کا خاتمہ سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب کے ہاتھ سے ہوا جو انہی کے دربار میں پہلے بہ حیثیت وزیر تھا۔ یہ اپنے چچا شیر کوہ کے ساتھ سلطان نورالدین محمود شاہ کے ہمراہ شام کی جانب سے جو متعلقین سلاطین سلجوقیہ میں سے تھا آیا تھا۔ اور اپنے کو خلفاء عباسیہ کا ماتحت بیان کرتا تھا۔ بعدازیں مسلمانوں کی باہمی نفاق پذیری اور طوائف الملوکی نے عیسائی سلطنتوں کو جرأت دلائی وہ بیت المقدس کی تسخیر کا حوصلہ کرنے لگیں اور صلیبی جنگوں کی ابتداء ہوگئی۔ جسے تاریخ پوری طرح بیان کرتی ہے۔ تخمیناً دو سو برس متواتر عیسائیوں کے حملے ہوتے رہے جن کا خاتمہ چنگیز خاں کے پوتے کے بعد اس کی نسل میں اسلام لانے سے ہوا اور عیسائیوں کے دلوں سے یہ ہوس نکل گئی کہ وہ بیت المقدس پر قابض ہو جائیں۔ چنانچہ آج تک اس بابرکت شہر کی ذمہ داری اہل اسلام کے ہی قبضہ میں ہے۔ گو عیسائیوں کا اقتدار نصف النہار پر دکھائی دیتا ہو۔

(نوٹ) ۱۹۴۸ء سے بیت المقدس یہودیوں، عیسائیوں کے قبضہ میں ہے۔ (ناشر)

Marfat.com

Marfat.com

عروج اِلیٰ السماء یا سیرِ افلاک

رہ گئے چرخ چہارم پہ جناب عیسیٰ
طے کئے ہفت سماوات کے میدان تو نے

نبوت کا بارہواں سال افق عالم پر ضیاء ریز ہے۔ رجب کی ستائیسویں رات وہ رات ہے۔ جس کی نورانیت نواز ظلمت پر آفتاب و ماہتاب کی روشنی قربان ہو رہی ہے۔ شب کا نصف کے قریب حصہ گزرنے والا ہے۔ اور وہ مبارک وقت آنے والا ہے۔ جب کہ مولا کریم کی ستار العیوبی و کرم نمائی اپنی تمام تر صفات کے ساتھ آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتی ہے اور سیاہ کاروں و معصیت شعاروں کو اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لینے کے لئے بے قرار ہوتی ہے۔ مگر عیش و عشرت کا فریفتہ اور بندۂ حرص و ہوا انسان دن کی نورانی رونقوں اور فانی عمر کی گرانمایہ فرصتوں کے لئے مئے احمر کی سرخیوں کی تلاطم خیزیوں اور جنون انگیز کیفیتوں، بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں میں گزار کرنا عاقبت اندیشی کی چادر تانے محوِ خواب ہو جاتا ہے۔ اس دلکشاء و فرحت افزا رات کی تاریکی تمام عالم پر چھائی ہوئی ہے۔ سقائے فلک اپنی سیاہ مشک سے تمام عالم کو تیرگی سے مؤثر کئے آب پاشی کر رہا ہے۔ لاتعداد چراغ سماوی ہیں جن سے پُر اسرار ضیائیں منتشر ہو رہی ہیں۔ ملاء اعلیٰ کی نورانی فضاؤں میں ناقابلِ اظہار مسرتیں اور بے تاب تمنائیں رقص کناں ہیں۔ اور حسن کائنات ردائے عریاں میں مستور آسمان کے لطیف نقاب سے دنیا کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی حسین خوش خرام کا انتظار ہے۔ ہاں مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں وہ حسن کی کان، جہان کی جان، رحمتِ منان، فخرِ انس و جان، امام الرسل تاجدارِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت ملائکہ و انبیاء علیہم السلام سے ابھی فارغ ہوئے ہیں۔ اور حضور رب العالمین میں شرفِ باریابی حاصل کرنے والے ہیں۔ روح الامین سیّدنا حضرت

Marfat.com

جبرائیل عرض کرتے ہیں کہ اے سلطانِ کونین اب خطۂ خاک سے جانب افلاک تشریف لے چلئے کہ کروبیانِ ملاء اعلیٰ ومسبّحانِ عالم بالا مدت سے دیدار فرحت آثار حضور کے منتظر اور چشم براہ ہیں۔ براق پر سوار ہو جائیے اور عاشقانِ ازلی کو دیدار سے مشرف فرمائیے۔

صحیحین میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پھر مجھ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام لے چلے۔ یہاں تک کہ پہلے آسمان تک پہنچے اور جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ اور آسمان اوّل کے نگہبانوں نے پوچھا کون ہے کہا جبرائیل ہوں۔ نگہبان فرشتوں نے کہا کہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ جبرائیل نے کہا محبوبِ خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا وہ بلوائے گئے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ہاں۔ فرشتوں نے کہا مرحبا آپ کا تشریف لانا مبارک ہو۔ فرشتوں نے دروازہ کھولا۔ جب میں آسمان اوّل کے اندر داخل ہوا۔ تو میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ چنانچہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر کہا کہ نیک بیٹے اور نیک نبی کے لئے یہ مرتبہ مبارک ہو۔ یہاں ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ یہ آسمان کیا ہے اور ان کا وجود بھی ہے کہ نہیں۔ جس کے سمجھنے کے لئے بعض کوتاہ اندیش تشویش میں پڑ جاتے ہیں۔ اس کا مختصر جواب بخوف طوالت کتاب یوں سمجھئے کہ قرآنِ پاک و دیگر تمام کتب سماوی نے آسمانوں کا ذکر کیا ہے اور بار بار کیا ہے جب تک کسی چیز کا وجود نہ ہو۔ نام نہیں رکھا جاتا۔ نیز جس سے انکار کیا جاتا ہے تو یہی انکار اس کے وجود کی عین دلیل ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ چیز ہے ہی نہیں۔ تو انکار کس شئے سے ہو رہا ہے حکماء سے ایک حکیم فیثا غورث اور اس کی تقلید میں اس کے بعض شاگردوں نے آسمانوں کے وجود سے انکار کیا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا آسمان کا منکر نہیں۔ تو فقط ایک حکیم فیثا غورث کے انکار سے آسمانوں کا عدم ثابت نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

آسمانوں کا وجود ایک مسلمہ امر ہے۔ ہزاروں برس سے بڑے بڑے حکماء وعلماء، سائنسدان وفلاسفر، تمام جہان کے عقلا، فلسفے کے موجد و یونان کے دانا آسمانوں کے وجود کے قائل ہیں۔ ان کے علاوہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر جو وقتاً فوقتاً صحائف و کتب کا نزول ہوتا رہا۔ وہ سب کی سب آسمان کا وجود بڑے زور سے ثابت کرتی ہیں۔ پس جس چیز پر جہان بھر کے عالم نیز ارضی وسماوی کتابیں شاہد ہوں۔ وہ چیز بغیر کسی اتنی ہی ٹھوس دلیل کے کیونکر رد ہو سکتی ہے۔ محض یہ کہہ دینا کہ اگر آسمان ہے تو نظر کیوں نہیں آتا۔ کچھ وقیع امر نہیں ہے کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں صفحہ دنیا پر وجود پذیر ہیں۔ جن کو انسان باریک سے باریک اور اعلیٰ سے اعلیٰ دوربینوں سے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ زمینوں پہاڑوں اور سمندروں کی تہہ میں ایسی ایسی ہزار ہا چیزیں مخفی اور پوشیدہ ہیں جن کا پتہ لگانا دشوار ترین امر ہے۔ لالٹین یا لمپ میں نہایت شفاف شیشے کی چمنی لگی ہوتی ہے مگر جب لالٹین جلائی جائے تو دور سے دیکھنے والے کو چمنی نظر نہیں آتی اور بتی کی روشنی نظر آتی ہے تو کیا چمنی کا نظر نہ آنا دوسرے دیکھنے والے کی کوتاہ نظری پر چمنی کے عدم کی دلیل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ چونکہ آسمان بھی شیشۂ شفاف کی طرح صاف اور حد نظر سے بہت دور ہے۔ اس لئے نظر نہیں آتا۔ تو اس کا وجود نظر میں نہ آنا یا کما حقہ اس پر نگاہ کا حاوی نہ ہونا اس کے معدوم ہونے کا ثبوت نہیں۔

بعض حکماء قدیم کے خیال میں یوں ہے کہ آسمان پیاز کے چھلکوں کی طرح پرت در پرت ہیں اس وجہ سے پھٹ جانے یا جڑ جانے کے قابل نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ قائل ہو کر بھی ایک شبہ میں پڑ گئے۔ جس کی ابتداء حکیم بطلیموس کی تقلید سے ہوئی ہے وہ آسمانوں کے ٹھوس اور سخت ہونے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہونے کا قائل تھا۔ اسی کے نکالے ہوئے نظام کو بعض مسلمانوں نے بھی عربی زبان میں نقل کیا ہے۔ حالانکہ خود حکماء نے ہی اس نظام کو باطل اور غلط کر دیا ہے اور آسمانوں کا ایسا ٹھوس جسم جس میں کوئی چیز پھر نہ سکے مردود ہو گیا۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس میں ہزاروں ستارے، چاند و سورج گردش کرتے ہیں اگر آسمان ٹھوس ہوتے۔ تو ستاروں کی گردش کیونکر ممکن ہوتی۔ اور اگر یہاں یہ

Marfat.com

بھی مان لیا جاوے کہ آسمان ٹھوس اور سخت اجسام ہیں تو یہ کیسے اور کہاں سے معلوم ہوا کہ ان میں دروازے اور راستے نہیں۔ یا یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ وہ پھٹنے اور جڑنے کے قابل نہیں۔ چونکہ اس بارے میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ نامعقول ہونے کے علاوہ مخدوش بھی ہیں۔ اس لئے کوئی ذی فہم ان کو قبول نہیں کرسکتا۔

اور سنیئے۔ بندوق کے نشانہ کے سامنے ایسی کوئی چیز جیسے لوہے کی چادر ہوتی ہے۔ جو اس کی قوت حیثیت کے موافق ہو درمیان میں حائل کردیجئے اور جب بندوق گولی پھینکے گی تو وہ گولی اس لوہے کی چادر کو چیر کر نکل جائے گی۔ گولی کو اس قسم کی کوئی چیز بھی نہیں روک سکتی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو خود تبارک وتعالیٰ ہی عروج دے رہا تھا۔ جو تمام طاقتوں کا مالک اور بہت بڑا طاقتور ہے۔ آسمانوں کی کیا حقیقت تھی جو امرِ الٰہی کا خلاف کر کے آپ کے مانع آسکتے۔ اس کے علاوہ جب آسمانوں میں دروازے ہونے کا عدم ثابت نہیں اور ان کے پھٹنے جڑنے کا امکان بھی ہے۔ تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتوں آسمانوں کا طے کر کے عرشِ اعظم تک اور لامکان تک پہنچنا محالات سے اور بعید از قیاس کیوں سمجھا جائے۔ بلکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کے متعلق جو احادیث فرمائی ہیں۔ ان سے آسمانوں میں دروازوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایک حدیث صحیحین میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ **فانطلق بی جبرائیل حتی الی السماء الدنیا فاستفتح الاخر** یعنی پھر مجھ کو جبرائیل لے چلے۔ یہاں تک کہ آسمان دنیا (آسمان اوّل) تک پہنچے۔ جبرائیل نے دروازہ کھلوایا۔ اسی طرح آگے چل کر اور دروازوں کا جو ساتوں آسمانوں میں ہیں انہی احادیث معراج میں ذکر فرمایا ہے۔ بہرحال اس حدیث سے آسمانوں میں دروازوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی سے آپ کا مع الجسد آسمانوں پر جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔ مگر مسلمانوں میں جہاں اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ وہاں یہ ایک بہت بڑی خرابی بھی ظہور میں آچکی ہے۔ جس سے ایمان تو رہتا ہی نہیں۔ وہ یہ کہ اگر ان کے سامنے کسی بات کے ثبوت کے لئے قرآنِ

Marfat.com

پاک کی کوئی آیت یا حضور علیہ السلام کی کوئی حدیث پیش کی جائے تو باستثنائے چند اہل ایمان جاہل ناک بھویں چڑھانے لگتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی حکیم یا فلاسفر کا قول خواہ وہ غیر مسلم ہی ہو یا سائنس کا کوئی نظریہ پیش کیا جاتا ہے تو بلا حیل و حجت صدق دل سے اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ خیر یہ وہ جانیں۔ ہمارا کام رجوع الی الخیر کرانا ہے۔ توفیق اثر خدائے قدوس کے ہاتھ ہے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے مل کر میں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ آسمان دوئم تک پہنچا۔ جبرائیل علیہ السلام نے دوسرے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا۔ وہاں کے بھی دربانی فرشتوں نے دریافت کیا کہ کون ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں ہوں۔ فرشتوں نے کہا تمہارے ساتھ کون ہے۔ جبرائیل بولے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ بلوائے گئے ہیں۔ جبرائیل نے کہا ہاں بلوائے گئے ہیں۔ فرشتوں نے کہا مرحبا۔ آپ کا تشریف لانا مبارک ہو۔ پھر دروازہ کھولا جب میں آسمان دوئم میں داخل ہوا۔ تو میں نے دونوں خالہ زاد بھائیوں حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے دونوں بھائیوں کے نام بتائے کہ یہ حضرت یحیٰ اور یہ حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ آپ ان دونوں پر سلام دیجئے۔ چنانچہ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا کہ نیک بھائی اور نیک نبی کو یہ رتبۂ معراج مبارک ہو۔ الغرض آپ بطریق مذکور دوسرے سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے اور پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ ہر ایک آسمان کے دربان سے اور جبرائیل علیہ السلام سے مکالمہ ہو کر دروازہ کھلتا رہا۔ اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام۔ چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں پر حضرت ہارون برادر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوتی گئی۔ اور جبرائیل علیہ السلام نے سب سے تعارف کرایا اور سلام کرنے کو کہا۔ اور سب کی طرف سے سلام کا جواب اور نیک بھائی و نیک نبی کو یہ قرب

Marfat.com

اتم مبارک ہوسنا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگر چہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ساتوں آسمانوں پر تشریف لے جانا الگ الگ بالتفصیل ذکر فرمایا ہے۔ مگر میں کتاب کے طوالت کے خوف سے مجملاً عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسی وجہ سے میں نے حدیث کا عربی متن بھی نہیں پیش کیا۔ صرف اس کے بامحاورہ ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جب آپ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کر کے ساتویں آسمان کی جانب تشریف لے چلے تو حسرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے جب فرشتوں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو حضرت کلیم اللہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ میرے بعد اس ایک ایسے نوجوان فرزند (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ نے نبی بنا کر مبعوث فرمایا کہ قیامت کے دن جس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی جب حضور ساتویں آسمان کے فرشتوں اور جبرائیل علیہ السلام کی گفتگو ہونے کے بعد دروازہ کھلنے پر ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے تکیہ لگائے تشریف رکھتے ہیں جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے میں نے سلام کہا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا اور ساتھ ہی فرمایا مرحبا با بن صالح و نبی صالح۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے کہو کہ بہشت کی نو مین قابل زراعت ہے لہٰذا وہ اس میں کاشت کریں۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کیونکر کاشت کریں۔ حضرت خلیل اللہ نے فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ط وَلَا حَوْلَ الخ ؕ بکثرت پڑھا کریں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند کیا گیا اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ سدرہ بیر کا ایک درخت ہے۔ اس کے پھل مثل قلال حجر۔ یعنی مٹکوں کے برابر اور پتے اس کے مثل گوشِ فیل کے ہیں۔ جبرائیل نے کہا کہ یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے (اس بیر کی بحث میں بعض کور باطن اعتراض کرتے ہیں۔ جس کا جواب ہم نے اعتراضات کے باب میں مفصل دیا ہے)۔ اور دیکھا کہ چار نہریں جاری ہیں۔ دو باطن ہیں اور دو ظاہری ہیں۔ میں نے کہا اے جبرائیل یہ کیا ہیں۔ کہا

Marfat.com

کہ دونوں باطن نہریں کوثر و سلسبیل جنت میں ہیں۔ اور دونوں ظاہر والی نیل وفرات ہیں۔ پھر میری طرف کو بیت المعمور اٹھایا گیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور کو دیکھا کہ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور وہ اپنی جنس کی کثرت کے باعث پھر دوبارہ عود نہیں کرتے۔ پھر قتادہ رضی اللہ عنہ نے حدیث انس کو بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر میرے پاس ایک پیالہ شراب کا ایک دودھ کا اور ایک شہد کا لایا گیا۔ پس میں نے دودھ پی لیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا پس یہی فطرت ہے۔ جس پر آپ اور آپ کی امت ہے اور آپ نے فرمایا کہ سدرۃ المنتہیٰ اس کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مقام فرشتوں کے لئے انتہائی عروج کا مقام ہے۔ اس سے آگے نہیں جاسکتے۔ یہاں پر جبرائیل علیہ السلام بھی ٹھہر گئے اور دست بستہ عرض کرنے لگے۔ کہ یا حبیب ذوالجلال اب اس مقام سے آگے ایک بال برابر بڑھنے کی مجھ میں تاب نہیں ہے کیونکہ

بڑھوں گا جو آگے میں اک بال بھر   تجلی سے جل جائیں گے بال و پَر

یاحضرت آپ کے سوا کسی کی طاقت نہیں کہ آگے بڑھ سکے۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے رخصت ہوتے وقت دریافت فرمایا کہ اگر کوئی آرزو ہو تو بیان کرو۔ میں اس کو حضور رب العزت میں منظور کراؤں۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ صرف اس قدر تمنا رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میں اپنے بازو پل صراط پر بچھادوں تاکہ آپ کی امت اس پر سے آسانی سے گزر جائے۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ناگاہ غیب سے آواز آئی۔ اے حبیب اب جبرائیل کو رخصت دو اور خلیل کی جانب قدم اٹھاؤ۔ اس آواز کے سنتے ہی آپ آگے تشریف لے چلے۔ یہاں تک کہ براق بھی چلنے سے رک گیا۔ اور آپ کی سواری کے لئے رفرف آیا۔ جو نورانی سبز مسند مثل تخت رواں کے تھا۔ اور وہ ایسا روشن تھا کہ آفتاب کی روشنی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر رونق افروز

Marfat.com

ہوئے۔ اور تشریف لے چلے۔

پھر چرخِ اطلس کی طرف رفرف ہوا فرفر رواں
رفتار تھی لمح بصر یا جنبشِ چشمِ یقین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ
عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ط

☆☆☆☆☆

Marfat.com

لقائے حبیب

حریم کبریائی کی تجلی گاہ میں پہنچے سنا پھر آپ نے جو کچھ سنا، دیکھا جو کچھ دیکھا
شہ لولاک کے قدموں کو چوما اس بلندی نے
نہیں ہے عقلِ کل کو بھی مجالِ پرزنی جس جا

اللہ اکبر۔ جہاں جبرائیل علیہ السلام کے مرتبہ کی حد ہوتی ہے۔ وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا قدم اور سفر کی ابتدا ہے۔ اور یہاں سے آگے بھی حضور نے ہزاروں مقام طے فرمائے جن سے جبرائیل واقف نہیں۔ چنانچہ جب براق بھی سدرہ پر تھک کر رہ گیا تو پھر آپ کو رفرف لے کر پرواز کناں ہوا۔ اور ستر ہزار حجاب حکمت کے، ستر ہزار حجاب نور کے، ستر ہزار حجاب زمرد کے اور ستر ہزار حجاب موتی کے۔ کہ ہر حجاب کی موٹائی ایک دوسرے تک پانچ سو برس کی راہ اور درمیانی فاصلہ بھی اسی قدر تھا۔ آن کی آن میں طے فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام میری ہمراہی سے رہ گیا۔ تو میکائیل نے حاضر ہو کر کہا۔ کہ یا رسول اللہ اب وقت میری خدمتگاری کا ہے۔ میں نے قدم میکائیل پر رکھا اور وہ اٹھا کر مجھے لے چلا۔ دریاہائے آب سے گزار دریاہائے آتشیں سے اُتار حجابوں تک پہنچا۔ پھر اسرافیل نے آکر شرائط تعظیم بجالا کر حجابوں سے گزارا۔ رفرف پھر پیدا ہوا۔ اس پر میں نے قدم رکھا تو اس نے بیک حرکت قریب ساقِ عرش مجھے پہنچایا۔ جب میں حجاب کبریا کو پہنچا۔ تو وہ ناپدید ہو گئے۔ اور میں بے سواری رہ گیا۔ اور رفرف غائب ہو گیا۔ پھر بصورت اسپ ایک دانہ مروارید سفید ظاہر ہوا۔ وہاں سے وہ آگے لے کر بڑھا۔ اب حضور ایسے مقام پر پہنچے جہاں نہ آسمان نہ زمین، نہ مکان نہ زماں، نہ جہت نہ فرشتہ، نہ کوئی آواز معلوم ہوتی تھی۔ جسم اطہر میں لرزہ پڑا۔ قریب تھا کہ بیہوشی طاری ہو جائے۔ کہ حجاب کبریائی گزر گیا اور اُدن منی کا خطاب ہوا۔ یعنی مجھ سے نزدیک ہو۔ لب

Marfat.com

مبارک پر غیب سے ایک قطرۂ شیرین ولذیز ٹپکا۔ نوش فرماتے ہی علوم اوّلین وآخرین حاصل ہوگئے خوف وہراس سب جاتا رہا فرمایا کہ میں ہر بار اُدن منی کے خطاب کے ساتھ قریب ہوتا تھا اور زمین سے آسمان تک کی مسافت طے کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے ہزار مرتبہ خطاب اُدن منی ہوا۔ اور میں مرتبۂ دنیٰ کو پہنچا۔ پھر درجہ فتدلیٰ کا پایا۔

رکے شاہ تو پردے سے آواز آئی

کہ پردے میں آ تجھ سے پردہ نہیں ہے

حتی کان بین الحبیب والمحبوب قاب قوسین او ادنیٰ۔ محبوب سے محبوب ملا انتہائی قرب حاصل ہوا۔ اور کوئی پردہ نہ رہا۔ آپ کے کان میں غیبی آواز آئی جو حضرت کے یارِ غار خلیفہ اوّل حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز کے مشابہ تھی کہ قِفْ یَا مُحَمَّد صلی اللہ علیہ و سلم فَاِنَّ رَبَّكَ یُصَلّٰی۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر جاؤ۔ اس لئے کہ آپ کا پروردگار نماز پڑھ رہا ہے۔ اس آواز کے سننے سے آپ کے دل سے وہ خوف ودہشت کی حالت کافور ہوگئی۔ جو احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہونے والے خاص اور مقرب بندہ کے پاک اور معصوم دل پر ظاہر ہونی ممکن تھی۔ اور آپ کو ایک ڈھارس سی بندھ گئی۔ اور آپ اس سوچ میں پڑ گئے کہ یہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز کہاں سے آئی۔ اور پروردگار بے نیاز کا نماز پڑھنا کیسا۔ یہ سوچتے ہی عرشِ اعظم کے قریب پہنچ گئے۔ جس وقت آپ نے ارادہ عرشِ اعظم پر جانے کا فرمایا۔ آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانے کا قصہ یاد آیا کہ ان کو جوتہ اتار کر جانے کا حکم ہوا تھا۔ یہاں مجھے بھی اپنی نعلین اتار دینی چاہیئے۔ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارادہ پر عمل نہیں فرمایا کہ آواز آئی۔ اے میرے محبوب اپنی نعلین پہنے ہوئے اسی طرح چلے آیئے اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو یاد نہ فرمایئے ان کو جوتا اتارنے کا حکم اس لئے ہوا تھا کہ وہ مقام پاک تھا۔ اور وہاں کی مٹی ان کے پاؤں کو لگ جانا ان کی توقیر وعزت کا سبب تھا۔ اور آپ کی نعلین بوسی سے عرش کو شرف حاصل ہوگا۔ لہٰذا اس کو عزت بخشئے اور یوں ہی تشریف لایئے۔ اس کے بعد فوراً آواز آئی۔ اُدن یا خیر البریہ۔ اُدن یا احمد صلی اللہ علیہ و سلم۔ اُدن یا محمد صلی اللہ علیہ و

Marfat.com

سلم۔ نزدیک آیئے اے بہترین خلایق۔ نزدیک آیئے اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ نزدیک آیئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس آپ نعلین مبارک پہنے ہوئے عرش پر جا کر اس قدر اللہ تعالیٰ سے قریب ہوئے۔ جہاں کسی وہم کو بھی گزر نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تمام مخلوقات سے کسی نے نہ جانا کہ قدمگاہ کہاں ہے۔ بلکہ خود قدم ناواقف رہا کہ نقش قدم کہاں ہے۔ یہ وہ درجہ اور مقام ہے کہ نہ کسی نبی اور رسول کو ملا۔ نہ ملائکہ میں سے کسی کو حاصل ہوا۔ تمام تجلیات جلالی و جمالی نے حضور پُرنور پر محیط ہو کر فرقِ دوئی مٹا دیا۔ اور حضور کو شنید سے دید اور علم الیقین تک کہ حدِ عین الیقین سے پہنچ کر حق الیقین کا مشاہدہ حاصل ہوا۔ جو دیکھا سو دیکھا اور جو سنا سو سنا۔ اور محرم اسرار فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ہوئے۔

پڑے ہوئے تھے ہزار پردے کلیم دیکھو تو جب بھی غش تھے
میں صدقے آنکھوں کے اس کی جس نے یہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس قربِ اتم کی حالت میں دستِ قدرت حضور علیہ السلام کی پشت مبارک پر پہنچا جس سے آپ کو کلی فرحت حاصل ہوئی اور اس کے پہنچتے ہی آپ نے دونوں چھاتیوں میں اس کی ٹھنڈک محسوس فرمائی اور علوم اوّلین و آخرین کے راز دار بن گئے۔ پھر آپ نے مولا کریم سے عرض کیا کہ یہاں صدیق کی آواز کہاں سے آئی اور تیری بے نیاز ذات کی نماز کیسی۔ جواب ملا کہ جو آواز آپ کو صدیق کی سی معلوم ہوئی۔ وہ آواز ایک فرشتے کی تھی۔ جس نے میرے حکم سے محض اس لئے کہ آپ کے دل پر سے گھبراہٹ اور خوف و دہشت کا اثر جاتا رہے۔ پکارا تھا۔ جس طرح کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر بوقت مکالمہ سوال کیا تھا۔ جب وہ بھی خوف و ہراس میں کانپ رہے تھے۔ تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى۔ یعنی اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس سوال سے ان کا خوف رفع ہو گیا تھا۔ اور میری نماز سے یہ مراد ہے کہ اس وقت میری رحمت خاص آپ اور آپ کی امت پر نازل ہو رہی تھی اور آپ کا استقبال کر رہی تھی اور اے میرے محبوب کیا آپ جبرائیل علیہ السلام کی درخواست پیش نہ کرو گے۔ جس کا آپ نے اس سے وعدہ فرمایا تھا۔ میں نے آپ کے خیال پر اس کی آرزو قبول فرمالی ہے۔ مگر صرف انہی لوگوں کے واسطے جو صدق دل سے

Marfat.com

آپ کی پیروی کریں گے۔ اور آپ سے محبت رکھیں گے۔ پھر جو جو کلام رب العزت کو منظور تھا اپنے محبوب پاک رحمۃ للعلمین سے کیا۔ اور اپنا دستِ قدرت سینہ پر رکھ کر علوم اوّلین و آخرین بخش دیئے۔ بعض علوم ایسے تھے۔ جن کا سننا عوام کے لئے محال تھا۔ ان کے اخفا کا حکم فرمایا۔ اور خواتیم سورہ بقر عنایت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے محبوب قاعدہ ہے کہ دوست دوسرے دوست سے بلا تحفہ تحائف نہیں ملا کرتا۔ آپ اتنی دور سے تشریف لائے ہیں۔ میرے حضور میں کیا تحفہ لائے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنے معبود حقیقی جل مجدہٗ کی ثناء میں یوں عرض کیا اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔ یعنی میری تمام عبادت زبانی اور قلبی اور مالی صرف تجھ خدائے واحد کے لئے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ تحفہ پروردگارِ عالم نے قبول فرما کر ارشاد فرمایا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ یعنی ہر قسم کی سلامتی ہو آپ پر اے نبی اور رحمت اللہ کی اور اس کی بہت سی برکتیں ہوں۔ اس انعام واکرام و برکات ورحمت کی گھڑی میں جب تمام امت کی عقدہ کشائی اور بخشش ممکن تھی۔ سرور عالم نے اپنی گنہگار امت کو بھی یاد فرمایا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی برکات وانعامات میں حصہ دار ٹھہرا کر اس طرح حضور خداوندی میں عرض کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْن یعنی اے مولا تیرا بے انتہا سلام اور شمار میں نہ آنے والی برکتیں مجھ اکیلے پر ہی نہ ہوں۔ بلکہ میری گنہگار اور قابل مغفرت امت پر بھی اور تیرے نیک بندوں سب پر بھی ہوں۔ جن کو اپنے دامن سے وابستہ کئے ہوئے دنیا پر چھوڑ آیا ہوں۔ جب اس اخلاق کریمانہ کے پرتو سے کروّبیان ومقربان بارگاہ نے راز داری پکڑی کہ ایسے وقت میں بھی یہ نبی رحیم وکریم اپنے گنہگاران امت کو نہیں بھولے تو یک زبان بول اٹھے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ یعنی ہم سب فرشتے اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ جل وعلا شانہٗ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے اور یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی اللہ وحدہٗ لاشریک کے سچے بندے اور رسول ہیں۔ یہاں یہ نقل بھی قابل یاداشت ہے کہ رب العزت نے اپنے محبوب کو فرمایا کہ جب کوئی سفر سے اپنے گھر کو مراجعت کرتا ہے تو کچھ تحائف دوستوں عزیزوں کے لئے لے جاتا ہے۔ آپ یہ میرا، اپنا اور ملائکہ کا کلام لے جایئے

Marfat.com

تا کہ آپ کی امت نماز میں پڑھ کر مشرف بسعادتِ ابدی ہو۔ مسلمانوں یہ نکتہ سمجھ لو کہ تین چیزیں آپ نے حضور باری تعالیٰ میں عرض کیں۔ تحیات، صلوات اور طیبات۔ تو اس کے عوض میں چار چیزیں، سلامت، نبوت، رحمت اور برکت مولا کریم کی جانب سے عنایت ہوئیں تین پہلی چیزوں سلامت، نبوت و رحمت کو تو مفرد بیان فرمایا اور برکت کو جمع ارشاد فرمایا۔ تا کہ سمجھا جائے کہ ابدالآباد تک ترقی اور تزائد میں ہے۔ ہر چند برکت کا لفظ مفرد بھی دلالت بر زائد کرتا ہے۔ اور خصوصاً جب جمع مذکر ہو۔ لہٰذا آپ کے ظہور سے زمین و زمان میں مشرق سے مغرب تک اطراف و اکناف عالم میں غلغلہٴ نبوت و دبدبہٴ رسالت پڑ گیا اور نقارہٴ فتوت و کوسِ جلالت بجنے لگا اسی وجہ سے نماز میں سب کو التحیات پڑھنے کا حکم ہے۔ اور ایک یہ بھی راز اہل فہم سے منقول ہے کہ چونکہ نماز معراج المومنین ہے اس لئے جناب سیّد المرسلین تاجدارِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ واقعہ معراج کی یاد تازہ کرنے کے واسطے ہر نماز میں بحالت قعود یعنی بیٹھ کر پوری عبارت التحیات سے آخر تک پڑھی جائے تا کہ کسی دل سے یہ طالب و مطلوب کا مکالمہ اور واقعہ معراج کبھی بھی فراموش نہ ہو اور بیٹھ کر اس کے پڑھنے کا اس لئے حکم ہوا۔ کہ حالت قعود بہ نسبت قیام و رکوع و سجود کے زیادہ تر بندہ کی توقیر پر دلالت کرتی ہے گویا شہنشاہ ارض و سما کے حضور سے بندے ناچیز کو حضور میں بیٹھنے کی اجازت حاصل ہوئی۔ یہ وہ سرفرازی بندگان ہے جو بغیر وساطت نبی مکرم رحمت عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو ممکن نہیں۔ کیونکہ وہی وجودِ مقدس اللہ جل شانہٗ کے نزدیک تمام مخلوق سے دنیا و عقبیٰ میں گرامی تر ہے۔ جس کو ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے محبوب میری رحمت تیری امت کے حق میں میرے غضب پر سبقت لے گئی اور میں قیامت کے دن ایسی کرامتوں سے مکرم فرماؤں گا کہ تمام خلائق محو حیرت و استعجاب ہو گی۔

اے مرے محبوبِ یکتا رحمت عالم ہے تو
خلق ہے سب کچھ سما سے تا سمک تیرے لئے

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

لیلۃ المعراج کے انعامات اور حقیقت صلوٰۃ

سرنوشت واژگوں را راست میساز دنماز
نقشِ معکوسِ نگین راسجدہ میگرددرست

حضور اقدس محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو مجھے رحمت حق نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور تین چیزیں عطا فرمائیں نمبرا پچاس ۵۰ وقت کی نمازیں۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے پر تخفیف ہو کر صرف پانچ رہ گئیں۔ نمبر۲ امت کے گناہوں کی مغفرت۔ نمبر۳ دشمنانِ حق کی پائمالی۔ اور فدایان اسلام کی فتح ونصرت کا وعدہ۔ حضرت ابن مرزوق رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کلام التحیات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے اللہ پچھلی گنہگار امتوں اور جماعتوں میں سے بعض کو تو نے زمین میں دھنس جانے کا عذاب دیا۔ بعض کو پتھروں سے معذّب بنایا بعض صورتوں کے بگاڑے جانے سے مغضوب کیے گئے بعض کو پانی میں غرق فرمایا بعض کو اور مختلف النوع عذاب دیئے۔ مجھے آگاہ فرمایا جائے کہ میری گنہگار امت کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ جواب میں رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے محبوب آپ پریشان خاطر نہ ہوں۔ آپ کی گنہگار امت پر رحمت نازل فرماؤں گا۔ اور ان کے ایک دفعہ سچے دل سے توبہ کرنے پر ان کی تمام برائیوں کو ان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں سے بدل دوں گا۔ ان میں سے جو میرے حضور میں رجوع لائے گا اور مجھے دکھ اور مصیبت میں نجات کے لئے پکارے گا میں اس کے واسطے حاضر ہوں گا۔ اور جو مجھ سے طلب کرے گا۔ میں اس کے سوال کو رد نہ کروں گا۔ اور جو مجھ پر اپنے امورات میں بھروسہ کرے گا۔ میں اس کی کفالت کروں گا۔ تیری امت کے گنہگاروں کی دنیا میں ستر پوشی کروں گا۔ ان کے چہرے مسخ نہ ہوں گے۔ اور نہ وہ زمین میں دھنسائے جائیں گے اور نہ ان پر پتھروں کی بارش ہوگی اور قیامت کو ان کے حق میں آپ کی شفاعت قبول کروں گا۔

Marfat.com

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ دوست اپنے دوست کے عتاب کو پسند کرتا ہے تو البتہ میں آپ کی امت کا حساب ہی نہ لیتا۔ پھر مولا کریم نے اپنے محبوب رؤف و رحیم سے فرمایا کہ اے محبوب! جو مانگنا ہو میری بارگاہ سے مانگ لو۔ تو شافع محشر ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ اے رب تو نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور اس کو ملک عظیم عطا فرمایا، موسیٰ علیہ السلام کو کلیم فرما کر اس سے کلام فرمایا۔ داؤد علیہ السلام کو سلطنت عظیم دی اور لوہا ان کے ہاتھ میں موم کر دیا۔ سلیمان علیہ السلام کو ملک بے بہا بخشا اور اس کے واسطے جن و انس و شیاطین مسخر فرمائے۔ ہواؤں پر ان کا حکم جاری کر دیا۔ اور وہ ملک دیا کہ اس کے بعد کسی کے واسطے لائق نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو تورات و انجیل سکھلا کر ایسا کر دیا کہ وہ مادر زاد اندھوں اور جذامیوں کو اچھا کرتا اور تیرے حکم سے مردے زندہ کرتا۔ اور اس کو مع اس کی ماں کے شیطان رجیم سے محفوظ کر دیا کہ شیطان کو ان دونوں پر کوئی راہ نہیں ہے۔ پس اللہ کریم جل و علا شانہٗ نے فرمایا۔ اے میرے محبوب میں نے تجھے خلیل بنایا۔ تورات میں آپ کا نام حبیب الرحمٰن رکھا اور تمام عالم کے واسطے بشیر و نذیر بنایا۔ اور رسولِ مبعوث فرمایا۔ آپ کے واسطے شرح صدر کر دی اور وِزْر کو مرفوع کیا آپ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ہونا لازم قرار دے کر بلند کیا۔ آپ کی ضعیف امت کو وسط اور خیر امت کر کے مخصوص از اولین و آخرین کیا اور یہ کیا کہ ان کا کوئی خطبہ جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ شاہد ہوں کہ تو میرا رسول عبد و محبوب ہے۔ میں نے اے محبوب تجھے پیدائش میں سب سے مقدم کیا اور بھیجنے میں سب سے پیچھے بھیج کر سرفرازی و سرداری دی قیامت میں فیصلہ ہونے میں سب سے مقدم کیا۔ اور سبع مثانی عطا کی۔ جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ خواتیم سورہ بقر کو زیر عرش کے خزانہ سے عطا کیا۔ کوثر دی اور فاتح پر خاتم کیا۔ ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے چھ باتوں سے فضیلت دی ہے۔ فواتح الکلام، خواتیم الکلام جوامع الحدیث اور سب کے سب پر بشیر و نذیر بھیجا جانا۔ میرے دشمنوں کے دلوں میں ایک مہینہ کی راہ سے رعب ہونا اور مال غنیمت کا حلال ہونا۔ جو مجھ سے پہلے کسی کے واسطے حلال نہیں ہوئے تھے اور تمام زمین کو میرے لئے پاک اور مسجد بنا دیا گیا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔ اور

Marfat.com

آگے موسیٰ علیہ السلام تک آنے اور واپس جانے میں حدیث سابقہ کی طرح پانچ نمازیں باقی رہنے کا ارشاد فرمایا۔ جب آخر بار موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو کتنی نمازوں کا حکم رہا ہے۔ تو آپ نے پانچ نمازوں کا ذکر فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا کہ آپ پھر لوٹ کر اپنے رب سے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ آپ کی امت تمام امتوں سے کمزور ہے اور مجھے بنی اسرائیل سے سختی لاحق ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے بار بار اپنے مولا کریم کی طرف رجوع کیا اور اس نے مجھے نوازا۔ اب مجھے شرم آتی ہے میں نہیں جاؤں گا۔ حکم ہوا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو نے پانچ نمازوں پر اپنے نفس کو صابر فرمایا ہے تو وے آپ کے لئے پچاس نمازیں کافی ہوں گی کیونکہ ہر ایک نیکی دس گنا ہے۔ پس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بشارت سے بہت خوش ہوئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ سختی سے ہٹ کر کے لوٹاتے تھے۔ جبکہ آپ ان کے پاس واپسی پر گزرتے تھے۔ سرکار انبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر موسیٰ علیہ السلام نمازوں کی تخفیف کے لئے بار بار نہ لوٹاتے تو ممکن تھا حضور علیہ السلام اپنے عشق الٰہی کی محویت میں پچاس نمازوں میں کمی کی ضرورت ہی محسوس نہ فرماتے۔ کیونکہ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مولا کریم کی حضوری اور اس کی عبادت سے بڑھ کر کسی شے سے دلبستگی نہ تھی۔ اور حقیقت بھی یہی ہوسکتی ہے کیونکہ طالب کو مطلوب کی رضا سے بہتر کوئی مشغلہ نہیں ہوسکتا آج کل مسلمان اس محبت الٰہی کو دل سے نکال چکے ہیں۔ جو تاجدار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے پیش کی تھی۔ لیلۃ المعراج کے تمام تر انعامات کو دیکھا جائے جو امت عاصی کو خدا کے وصل کے لئے لا کر دیئے گئے تھے۔ تو ان سب سے بہترین و اوّلین عطیہ نماز پنج وقتہ ہے جس کی ادائیگی مسلمان کو معراج کمال پر پہنچا دیتی ہے۔

اگر سر کے بل گرتے راہِ خدا میں
قدم چوم لیتی ہمالہ کی چوٹی

خداوند جل وعلاشانہٗ کی عبادت بہ تذلل کرنا خدا کی ناچیز مخلوق انسان ضعیف النبیان کا سب سے بڑا کمال اور پہلا فرض ہے۔ کیونکہ بارگاہِ ایزدی میں عجز و انکساری اشرف

Marfat.com

المخلوقات کی سرفرازی کا باعث ہوتا ہے ایک دن ایک دوست نے ذکر کیا کہ ایک بڑے انگریزی زدہ علامہ جن کو ایوانِ شاہی کی باسی ڈبل روٹیاں کھانے پر ناز تھا کہنے لگے کہ نماز کا یہ طریق اسلامی پرانا ہو گیا ہے۔ اب کوئی نیا طریق ایجاد کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ اسلام نے جو طریقہ عبادت کا بتلایا ہے وہ جامع جمیع کمالات ظاہری و باطنی وصوری ومعنوی ہے اور عقل وفطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اظہارِ تذلل اور عبادت کی صرف چار ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ نمبر ۱ اپنے مولا و آقا کے حضور میں اس کے تقرب اور خوشنودی کے لئے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ نمبر ۲ اس کے سامنے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کی شان جلالی کو مانتے ہوئے جھک جانا۔ نمبر ۳ اس کی تمام طاقتوں سے مرعوب ہو کر سجدہ میں اپنے گناہوں کی معافی کے لئے سر رکھ دینا۔ نمبر ۴ اظہار تمنا کے بعد تسلی بخش جواب کے لئے سر بگریبان ہو کر دوزانو بیٹھنا۔ پس عبادت اور حضوری کی یہی چار صورتیں ہیں۔ ان سے زیادہ باادب اور عجز وانکساری کی کوئی دوسری ہیئت نہیں ہو سکتی اگر آپ کوئی پیش کر سکیں تو فرما دیں تو جواب میں بولے کہ واقعی اس سے زیادہ عاجزانہ شکل بنانے کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔ یہ تو نماز کی ظاہری شان ہے کہ جس کو ادا کرتے ہوئے دیکھ کر ایک غریب و عاجز اور معصیت کار انسان کے لئے رحمت الٰہی خواہ مخواہ جوش میں آ جاتی ہے کیونکہ اس کے حضور میں تمام انسانی اوصاف میں سے جھک جانا اور عاجزانہ طور پر جھک جانا زیادہ پسندیدہ ہے اور یہی مقبولیت اور ارتفاع درجات کا راز ہے۔ ع

سرنوشت واژگوں را راست میساز و نماز

یہ تو نماز کی ظاہری صورت تھی اب نماز کی معنوی حیثیت بھی ملاحظہ ہو۔ نماز میں تین حقیقتیں مشتمل ہیں یا دوسرے معنوں میں یوں سمجھئے کہ نماز حقائق ثلاثہ کا مجموعہ ہے۔ نمبر ۱ حقیقت صلوٰۃ۔ نمبر ۲ حقیقت قرآنی۔ نمبر ۳ حقیقت کعبہ یعنی نماز کے اعمال ظاہری و باطنی اور جہت و کعبہ و تلاوتِ قرآن۔ حقیقتِ قرآنی اور حقیقتِ کعبہ تو دونوں صلوٰۃ کے اجزاء ہیں جو بجائے خود اعلیٰ اور افضل ہیں۔ چنانچہ تلاوت قرآن کی نسبت سرکارِ مدینہ تاجدارِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من اراد ان یحدث ربه فلیقراء القرآن۔ ترجمہ: جو کوئی اپنے رب سے بات کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ وہ قرآن پڑھے۔ گویا

Marfat.com

تلاوتِ قرآن خدا کے ساتھ ہمکلام ہونا ہے اس سے تو عام تلاوت مراد ہے جو نماز سے علیحدہ ہو نماز میں تلاوت اس سے بھی افضل ترین ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن کی تلاوت نماز میں بہ نسبت خارج نماز کی حالت کے زیادہ بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ آدمی نماز میں جب قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو مولا کریم سے گفتگو کر رہا ہے اور اس کے اسرارِ ربوبیت و اوصاف الوہیت کے بحر میں غوطہ زن ہے۔ جس کو ہم دوسرے معنوں میں وہی معراج کہہ سکتے ہیں جس کا اشارہ حدیث شریف میں اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن ط آیا ہے۔ یہ تلاوت قرآن کا مرتبہ ہے۔ اب حقیقتِ کعبہ بھی معلوم کیجئے۔ کعبہ کے لئے صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ وہ خداوند جل وعلا شانہٗ کا گھر یعنی خانۂ محبوب و معبود حقیقی ہے جو عاشقانِ الٰہی کا مرکزِ عشق ہے اور نُوْرُالسَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ کی تجلی گاہ ہے اور مشہور بات ہے کہ مکان کی عزت مکین کے سبب ہوا کرتی ہے۔ جو حیثیت مکین کی ہو ویسی ہی عزت مکان کو حاصل ہوتی ہے مثلاً ایک چمڑے کا ٹکڑا اگر جوتی کو لگا ہوتا ہے وہ گھر اور مسجد سے باہر اتار دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق ایک نجس چیز اور گنہگار انسان سے ہوتا ہے۔ پھر وہ بھی اگر کسی نبی، بزرگ، ولی کی ہو اس کی حیثیت اور ہوتی ہے۔ اور اگر وہ ہی ٹکڑا قرآن کریم کی جلد پر لگا ہو تو اس کو لوگ چومتے ہیں۔ ایک پانی وہ ہے جو پنجاب پاکستان۔ ہندوستان یا دیگر ممالک میں ہم یا ہمارے جیسے انسانوں کے ساتھ موجود ہے۔ وہ بلاخصوصیت ایک عام پانی ہے۔ مگر آبِ زمزم جس کو حضرت سیّدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں کی برکت حاصل ہے وہ ایک خاص فضیلت کے ماتحت لیا اور پیا جاتا ہے۔ اسی طرح اور ہزارہا مثالیں ہیں۔ الغرض نماز کے متعلق سردار انس و جاں سیّاح لامکاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندے کو اپنے خدا کا سب سے زیادہ تقرب نماز کی حالت میں ہوتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز کی حالت میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ یعنی نمازی کی آنکھ اپنے معبود حقیقی کے جمالِ جہاں آرا کا بے حجاب مشاہدہ کرتی ہے۔ حضرت خواجہ امام محمد معصوم قدس اللہ سرہ العزیز خلف الصدق حضرت خواجہ امام محمد ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں اس کی نسبت ایک وجد آفریں تشریح فرماتے ہیں کہ ”نماز معشوقے است دلربا در باطن مصلّی چوں پر

Marfat.com

تو جمال با کمال او جلوہ فرمائید و حسن و خوبیٔ او ظہور نماید نزدیک است کہ او را مست و بے شعور واور ااز دمے بربائید و چوں انوار او متحقق شود و تجلیہ و متجلّی گردد خود را نور یابد۔'' یعنی نماز ایک معشوقہ دلربا ہے۔ جب مصلی کے باطن میں اس کے جمالِ باکمال کا پرتو پڑتا ہے۔ اور وہ اپنی حسن و خوبی کے ساتھ ظہور کرتی ہے۔ تو قریب ہو جاتا ہے کہ نمازی مست و بے شعور ہو جائے اور وہ اپنے آپ سے جاتا رہے۔ اور جب نمازی نماز کے انوار و تجلیات سے متصف اور اس کے اوصاف و خصائص کے زیور سے مزین ہو جاتا ہے۔ تو خود کو سراپا نور پاتا ہے۔

نماز کی اسی کیفیت کے باعث اس کو عالمِ علمِ الٰہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی معراج فرمایا ہے۔ کیونکہ مومن جس وقت نماز میں ہوتا ہے تو وہ تمام دنیوی تعلقات اور مادی دنیا سے عروج کر کے نشاۃ اخروی پر پہنچ جاتا ہے۔ یعنی مراتبِ قرب و شہود نماز کی حالت میں بدرجہ اتم واکمل ہوتے ہیں اللہ اللہ نماز کی کیا شان ہے کہ ادنیٰ ترین انسان اس کی طفیل پانچ مرتبہ دن بھر میں معراج کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مولا کریم کے قرب کو پالیتا ہے۔ نماز ایک ایسی جامع عبادت ہے۔ جس میں، حج، زکوٰۃ، روزہ، معراج توحید، ثنا تمام کیفیات جمع ہیں۔ نماز گویا ایک غریب وفادار بے استعداد مومن کے لئے گھر کی چار دیواری اور بال بچے میں رہ کر ہی حج بیت اللہ ہے کیونکہ عاشق صادق کے لئے تین چیزیں اظہار عشق میں اعانت کرنے والی ہوتی ہیں۔ نمبر ا معشوق کا بے پردہ دیدار پانا۔ نمبر ۲ معشوق سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنا۔ نمبر ۳ توجہ خصوصی اور قرب حضوری سے سرفراز کیا جانا۔ سو یہ تین چیزیں نمازی کو بھی حاصل ہیں۔ بے پردہ دیدار تو یوں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اس طرح نماز پڑھ کہ تو اپنے معبود کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ مرتبہ تجھے حاصل نہیں تو یوں جان کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ حضرت سرخسی رحمتہ اللہ علیہ کو لوگوں نے نماز باجماعت کے لئے امام بنایا تو آپ اثنائے قرأت میں بے ہوش ہو کر گر گئے۔ ہوش میں آپ کو لایا گیا اور اس غشی کا باعث پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے حمد وثنا کے جواب میں تو میرے خدا نے فرمایا کہ میں اسی قابل ہوں جیسے تو نے کی۔ مگر جب میں نے آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْن تلاوت کی تو حکم ہوا تیرا قول

Marfat.com

تیرے فعل کے خلاف ہے۔ کہتا ہے تجھی سے مدد مانگتا ہوں اور غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ چنانچہ یہی عتاب میری غشی کا باعث ہوا۔ اللہ اللہ یہ ہے وہ نماز جو معبود کو سامنے دیکھ کرادا کی جاتی ہے۔ حضرت سراج الامتہ امام الائمہ سیّدنا حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خدا کو سو مرتبہ دیکھا ہے۔ قرب حضور اس سے بڑھکر کوئی امتی کیا پائے گا گویا نماز عشق حقیقی کے جذبات برانگیختہ کرنے حسن حقیقی کی بہار لوٹنے شاہدِ مقصود سے ہمکنار ہونے اور فوز وفلاح سے شادکام بننے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جیسے شاعر نے کہا ہے۔ ؎

نمازِ عشق دکھائے گی جلوۂ محبوب
جو اپنے دردِ جگر کو امام کرلیں گے

نماز کے محاسن باطنی اور مراتب وکمالات کا یہ ایک مختصر سا ذکر اور شمہ بھر بیان ہے۔ ورنہ اس کے فضائل اس قدر ہیں کہ انسان گننے سے قاصر ہے مگر افسوس کہ آج کل کا اتحاد پسند مسلمان جہاں کہیں دیکھو مشرکوں کافروں سے دنیا کے لئے اپنی نمازیں قربان کر کے بھی اتحاد چاہتا ہے۔ حلانکہ اپنوں سے اس کی ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔ اس شیدائے دنیا کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ نماز بھی اتحاد کا ایک سبق اور نظام قوم کو مربوط کرنے والی شئے ہے تو ممکن ہے۔ کہ سٹیجوں پر اس کی اتحاد پسندانہ دھواں دھار تقریروں کے ساتھ اس کے عمل میں نماز بھی نظر آ جائے اس کو کون یہ کہے کہ تیری فلاح رام رام کرنے میں نہیں خدا خدا کرنے میں ہی ہے۔ بدقسمت ہے وہ مسلمان جو مسلمان ہو کر نماز کے انوار وتجلیات اور فوائد و برکات سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ اس کی نہ بصیرت ہے۔ نہ بصارت جو امت محمدی ہونے کا اقرار کرے۔ اور نماز کے فیوض سے محروم رہے۔ بندۂ نفس اور جہنم کا ایندھن ہے۔ وہ نام نہاد مسلمان ہے جو نماز کی ادائیگی سے غافل اور بے پرواہ رہتا ہے۔ نماز باجماعت ہی ایک وہ آلۂ اتحاد ہے جو پسماندہ اور بدقسمت قوم کو تھوڑے عرصے میں معراج کمال پر پہنچا سکتی ہے۔

دنیا آج تک حیران وششدر ہے کہ اسلام نے عرب جیسی بادیہ نشین قوم کو ایک قلیل مدت میں خاک سے اٹھا کر افلاک پر کس طرح پہنچا دیا۔ اور اونٹوں کی نکیل کی جگہ سلطنت عظیم کی باگ ان کے ہاتھ میں کیسے دے دی۔ اس فلاکت زدہ ریت پر سونے والی اور

Marfat.com

خشک کھجوریں کھانے والی قوم کو کس طرح تخت بخش دیئے اور کیونکر بدوؤں کی جھونپڑیوں میں شاہی خزانے بٹے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ ان میں دو وصف تھے جو آج مسلمانوں میں نہیں ہیں اور جن سے منہ موڑ کر آج ذلت وخواری کو پہنچ رہے ہیں اور اپنی پائمالی کا احساس تک نہیں رکھتے اور وہ یہ تھے۔ نمبر ا حضرت سرورِ کونین رسول الثقلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقانہ محبت اور شیفتگی۔ نمبر ۲ آپس میں نظم واتحاد اور اپنے رہبروں سے محبت اور یک جہتی یہی وہ اعلیٰ سبق ہے جو ہمیں پنج وقتہ نماز باجماعت سے ملتا ہے اور اسی سبب سے ابوسفیان کفر کی حالت میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو نماز پڑھتے ہوئے اور ایک امام کی حرکت پر متحرک ہوتے ہوئے دیکھ کر بے اختیار بول اٹھا تھا کہ خدا کی قسم یہ قوم کچھ کر کے رہے گی۔ ہم میں سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ ہم اپنے رہبروں سے محبت اور ان پر اعتماد نہیں کرتے اور یہ وہ مرض ہے کہ جب کسی قوم میں پیدا ہو جاتا ہے تو وہ زمانہ میں ذلیل ہو جاتی ہے مسلمان کو یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی عظمت واقتدار کا آفتاب مسجد نبوی سے ہی طلوع ہوا تھا۔ اور بوریا نشین صحابہ قیصر وکسریٰ کے تاج وتخت کے مالک بن گئے تھے۔ اور مسلمان اب اگر دوبارہ آفتاب اقبال کو طلوع ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں تو مسجدوں سے ہی لو لگائیں اور انہی کو نمازوں سے آباد کریں۔ یہیں سے پھر دوبارہ زندگی پاویں گے۔ اور اقتدارِ گزشتہ حاصل کرسکیں گے۔

لا الٰہ باشد صدفِ گوہر نماز
قلب مسلم راحجِ اکبر نماز

☆☆☆☆☆

Marfat.com

سیرِ جنت

اس امر کا ذکر کرنے سے پہلے کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر جنت کے متعلق کیا کیا ارشاد فرمایا ہے اور اس کی نعمتوں کو کس طرح ذکر کیا ہے۔ یہ بتا دینا بڑا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج کل بعض غیر عقیدہ لوگوں اور نام نہاد مولویوں نے جنت کے متعلق ہزار ہا لایعنی تاویلیں کی ہیں۔ اور سینکڑوں عقلی ڈھکوسلے مارے ہیں کوئی زمین کے اوپر بیان کرتا ہے تو کوئی تحت الثریٰ کے نیچے۔ کوئی انکاری ہے تو کوئی نیم اقراری اور ایک لاہوری معتزلہ مولوی نے یہاں تک بھی کہہ دیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جس بہشت میں مقیم تھے اور جہاں سے آپ کا اخراج عمل میں آیا۔ اس سے مراد دنیا کا ایک باغ ہے۔ کیونکہ جنت میں شیطان کا موجود ہونا غیر ممکن ہے۔ وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ اور جہاں سے ان کا خروج ہوا۔ بلاشک وشبہ وہ جنت سماوی تھی۔ جس پر نصوصِ قرآن و احادیث نبوی علیہ السلام و اقوال علماء کرام سلف وخلف شاہد ہیں۔ ارشاد باری قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا الآخر کے تحت میں صاحب مدارک نے لکھا ہے مِنْهَا کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے۔ شیطان وہاں موجود تھا۔ وہاں ہی سے نکالا گیا۔ مگر معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی جنت ملک یمن میں ایک باغ ہے کیونکہ جنت میں نہ تکلیف کا وجود ہے نہ اس سے خروج کی صورت متصور ہو سکتی ہے۔ مگر ان فاسد اور غلط اقوال کا جواب یہ ہے کہ جنت سے خروج اس صورت میں ممنوع ہے کہ بطور جزاء وثواب داخل ہو۔ ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جنت میں داخل بھی ہوئے۔ پھر خارج بھی ہو گئے۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اہل جنت حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ حضرت بابا جی ہم کو جنت کا دروازہ کھول دیجئے۔ وہ جواب دیں گے کہ تم کو اس جنت سے تمہارے باپ کی لغزش نے نکالا ہے۔ اس سے بھی

Marfat.com

معلوم ہوا کہ وہ جنت الخلد ہی تھی۔ جس سے حضرت آدم علیہ السلام کا اخراج عمل میں آیا۔ اور جس میں اہل جنت داخل ہونے کے لئے حضرت آدم سے دروازہ کھلوانے کے ملتجی ہوں گے۔ اگر وہ دنیا پر بقول معتزلہ یمن کا باغ ہوتا تو پھر اس جنت سے تم کو تمہارے باپ کی لغزش نے نکالا ہے فرمانا بے محل ہوگا۔ لیکن یہ فاسد عقیدہ رکھنے والے کچھ ایسے بہک گئے ہیں کہ گویا بغیر دیکھے ایمان لانے کے لئے تیار نہیں۔ ہم یہاں صحیح احادیث پیش کریں گے۔ جن سے یہ معلوم ہو کہ جنت کہاں ہے۔ حضور نے اس کا کس طرح معائنہ فرمایا اور اس کی نعمتوں کو کیونکر پایا۔ مومن کو بلاشبہ ارشاداتِ نبوی پر ایمان لا کر تصدیق کرنی چاہئے۔ چونکہ جنت اور اس کے متعلقات کا اسقدر وسیع ذکر ہے۔ کہ ایک علیحدہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ اس لئے یہاں بالاختصار ذکر کیا جائے گا۔ اور باقی کسی آئندہ صحبت میں انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع پر ایک علیحدہ کتاب لکھی جائے گی۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت انس وابن خرم رضی اللہ عنہما نے حدیث شریف میں معراج رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دربارِ ایزدی میں مکالمہ فرضیت نماز اور مراجعہ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا پھر میں جنت میں داخل کیا گیا۔ کہ اس میں موتیوں کے جنابذ تھے اور دیکھا کہ اس کی خاک مشک ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عند سدرة المنتهیٰ عندها جنة الماویٰ۔ یعنی سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک جنت الماویٰ ہے اس کی حقیقت میں امام بیہقی نے دلائل سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں اور مسلم نے سہل بن سعد سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مجلس مبارک میں حاضر تھا۔ جس میں آپ نے جنت کا بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ نے اس بیان کو ختم فرمایا اور آخر بیان میں فرمایا کہ جنت میں وہ چیزیں ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ اور نہ کسی بشر کے دل پر ان کا گزر ہوا۔ نسائی بن جہان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب خداوند عالم نے جنت کو

Marfat.com

پیدا فرمایا۔ تو حضرت جبرائیل کو حکم دیا ہے کہ جنت کو دیکھ۔ حضرت جبرائیل نے جا کر جنت کو دیکھا اور وہاں سے واپس ہو کر عرض کیا۔ اے میرے پروردگار تیری عزت اور بزرگی کی قسم ہے کوئی شخص اس کا حال سن کر داخل ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ پھر خدائے تعالیٰ نے ناگوار چیزوں سے اس کو گھیر دیا۔ تو پھر جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے جبرائیل جا کر جنت کو دیکھ۔ انہوں نے جنت کو جا کر پھر دیکھا۔ اور واپس ہونے کے بعد فرمایا۔ اے میرے پروردگار قسم ہے تیری عزت کی مجھے خوف ہے کہ کوئی اس میں داخل نہ ہو آخر حدیث تک جس میں دوزخ کی پیدائش کا بھی ذکر ہے۔ جسے ہم اس کے باب میں بیان کریں گے۔

ابن ابوالدنیا نے جنت کے بیان میں حضرت انس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت عدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے بنایا ہے۔ اس کی عمارت میں ایک اینٹ سفید موتی کی ایک اینٹ یاقوت سرخ کی ایک اینٹ زمرد کی، اس کا گارا مشک۔ اور گھاس اس کی زعفران اور ٹھیکریاں مروارید اور مٹی عنبر ہے۔

ابوالشیخ نے کتاب العظمت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں اپنے ہاتھ سے پیدا فرمائیں۔ عرش، قلم، جنت عدن اور حضرت آدم علیہ السلام۔ پھر ہر ایک کو فرمایا۔ ہو جا۔ ہر ایک موجود ہو گیا۔ قرطبی نے بیان کیا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے۔ جنتیں سات ہیں۔ دارالجلال، دارالسلام، دارالخلد۔ جنت عدن۔ جنت الماویٰ۔ جنت النعیم۔ جنت الفردوس۔ اور بعض نے کہا کہ چار ہیں۔ جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں واقع ہوا ہے انہوں نے سوائے چار کے اور کا ذکر نہیں کیا۔ طبرانی نے ابوامامہ سے اور انہوں نی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ خدا سے تم فردوس مانگا کرو کہ وہ جنت کی.........ناف ہے۔ اور اہل جنت عرش کی آواز کو سنتے ہیں۔

ابویعلیٰ اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اور ان میں سے ایک دروازہ

Marfat.com

توبہ کیلئے کھل رہا ہے۔ جب تک آفتاب مغرب کی طرف سے نہ نکلے۔ دیلمی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنت کے ایک دروازے کا نام باب الفرح ہے۔ اس میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو بچوں کو خوش کرتے تھے۔ مسلم نے حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی تم میں سے ایسا نہیں ہے۔ جو وضو کرے اور اچھی طرح سے وضو کرے پھر کہے۔ اشهد ان لاالٰه الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده و رسوله۔ مگر اس کے لئے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاویں گے۔ ان میں سے جس دروازے سے جی چاہے داخل ہو۔ بیہقی نے عقبہ بن عتبہ سلمی سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا۔ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جس کی تین اولادیں قبل از بلوغ مر جائیں مگر وہ اولاد اس کو جنت کے آٹھوں دروازوں سے بلائیں گی۔ جس میں سے اس کا جی چاہے داخل ہوگا۔ سلمہ نے عقبہ بن غزوان سے روایت کی ہے کہ ہم سے بیان کیا گیا جنت کے دروازوں کے ایک بازو سے دوسرے بازو تک چالیس برس کا راستہ ہے۔ اور اس پر ایک ایسا دن آنے والا ہے کہ کثرت اژدھام کی وجہ سے آدمی پھنس پھنس کر رہ جائیں گے۔ طبرانی نے عبد اللہ بن سلام سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دو بازوؤں میں چالیس برس کی راہ ہے۔ اور اس پر ایک ایسا دن آنے والا ہے کہ جس طرح پانچ روز کے پیاسے اونٹ پانی کے لئے اژدھام کر کے ایک دوسرے میں پھنس کر دوڑتے ہیں (لوگ ایسے دوڑیں گے) ابن المبارک اور طبرانی نے ابوایوب انصاری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آفتاب ڈھل جاتا تھا۔ پھر نماز ادا فرماتے تھے میں نے آپ سے دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانوں کے اور جنت کے دروازے اس وقت کھولدیئے جاتے ہیں۔ اور جب تک ظہر کی نماز نہیں پڑھی جاتی وہ نہیں کھولے جاتے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میری نیکی آسمان کی طرف چڑھے۔ ابو مالک اشعری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں کہ ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس شخص کے لئے تیار کیے ہیں۔ جو کھانا کھلاوے اور نرمی کے ساتھ بات کرے اور پیاپے روزے رکھے اور جب لوگ سوتے ہوں۔ نماز پڑھے۔ بیہقی نے عمران بن حصین اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وَ مَسٰکِنَ طَیِّبٰتٍ فِی جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ کی نسبت دریافت کیا گیا آنجناب نے فرمایا۔ وہ موتی کا ایک محل ہے۔ اور اس محل میں سرخ یاقوت کے ستر مکان ہیں۔ اور ہر مکان میں ستر کمرے زمرد کے ہیں۔ اور ہر کمرے میں ایک تخت ہے اور ہر تخت پر ستر بستر ہیں۔ اور ہر بستر کا رنگ جدا ہے۔ الخ شیخین نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ جس کو خدا تعالیٰ کسی رعیت کا حاکم کرے اور وہ اس کی خیر خواہی نہ کرے۔ تو جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔ اس طرح ابن ماجہ نے ابن عمر سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے باپ کے سوا دوسرے شخص کو باپ بنانے کا دعدہ کیا وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بخدا نہ عاق نہ قرابت کا قطع کرنے والا اور نہ بوڑھا زنا کار اور نہ وہ شخص کہ جو اترا کر اپنے ازار گھسیٹتا ہوا چلے اس خوشبو کو سونگھے گا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میں اہل جنت کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں گے۔ جب جنتیوں کو پھلوں سے رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو اس سے پہلے دیا گیا تھا اور ہم رنگ پھل ان کو دیئے جائیں گے۔ جن کے مزے میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت نہ ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فیھا من کل فاکھۃ زوجان کے متعلق روایت ہے کہ دنیا میں کوئی درخت شیریں یا کڑوا ایسا نہیں جو جنت میں موجود نہ ہو۔ یہاں تک کہ حنظل بھی موجود ہوگا۔ ابو سعید خدری سے بہ سندِ حسن روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا میرے اوپر جنت پیش کی گئی تھی اور میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ایک خوشہ کے لینے کا قصد کیا کہ تم کو دکھاتا مگر مجھ کو روک دیا گیا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلا فرمایئے کہ انگور کا دانہ کتنا بڑا ہوگا۔ آپ نے فرمایا بڑے سے بڑا ڈول جو کبھی تیری ماں نے بنایا ہو۔ ترمذی نے نوادر میں حسن اور ابی قلابہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں رات ہوگی آپ نے فرمایا وہاں رات نہیں ہے وہاں تو روشنی اور نور ہے۔ صبح شام پر اور شام صبح پر لوٹائی جائے گی۔
حضرت ابن المبارک نے روایت کی ہے کہ جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو خدا تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ ہر مہمان کے لئے قربانیاں ہوتی ہیں اور میں بھی آج تمہارے لئے مچھلی اور بیل کی قربانی کرتا ہوں۔ چنانچہ اہل جنت کے لئے ان کی قربانی کی جائے گی۔
مسلم نے ثوبان سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے کہ یہود کے ایک بڑے عالم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جب اس زمین کے بدلے دوسری زمین ہو جائے گی تو آدمی اس روز کہاں ہوں گے۔ حضور نے فرمایا پل صراط کے نیچے ایک تاریکی میں ہوں گے۔ اس نے کہا پس سب سے پہلے کس کو اجازت ہوگی حضور نے فرمایا۔ فقراء مہاجرین کو اس نے کہا جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان کا تحفہ کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا مچھلی کے جگر کی زیادتی ان کا تحفہ ہوگی۔ اس نے کہا پھر ان کو بعد صبح کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا ان کیلئے جنت کا بیل ذبح کیا جاوے گا۔ جو جنت کے گرد چرا کرتا ہوگا۔ اس نے کہا اس کے بعد ان کو پینے کا کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا جنت کے ایک چشمہ سے ان کو پانی دیا جاوے گا جس کا نام سلسبیل ہے۔ اس عالم نے یہ باتیں سن کر کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے جنت کی نہروں کا ذکر فرمایا ہے کہ جنت میں پانی کی نہریں ہیں جو بگڑنا نہیں۔ دودھ کی نہریں ہیں جو بدمزہ نہیں ہوتا۔ شراب کی نہریں ہیں۔ جس میں خرابی نہیں۔
اور پینے والوں کے لئے لذت ہے اور شہد کی نہریں ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت کی نہریں ایک مشک کے پہاڑ سے نکلتی ہیں اور بغیر خندق کے بہتی ہیں۔ ابن عباس رضی

Marfat.com

اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوثر بھی جنت میں ایک نہر ہے۔ جس کی گہرائی ستر ہزار فرسنگ ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس کے دونوں کنارے موتی اور زبرجد اور یاقوت کے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیحان اور جیحان، فرات اور نیل سب جنت کی نہریں ہیں۔ ایک نہر کو بیدخ اور ایک ریان فرمایا۔ نہروں کے علاوہ سلسبیل اور تسنیم چشموں کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے فیھا عینان تجریان کے متعلق براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چشمے ان چشموں سے بہتر ہوں گے۔ جن کی صفت قرآن میں عینان نضاختان ذکر ہوئی ہے۔ اس طرح زنجبیل اور تفجر کا نام بھی فرمایا گیا ہے۔ احمد نے ابو سعید خدری سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص مومن کو پیاس میں پانی پلاوے خداوند عالم قیامت کے دن اس کو رحیق مختوم پلاویں گے۔ اور جو شراب پینے والا ہوگا اس کو دوزخ کا ماء حمیم پلایا جاوے گا۔ اگر کسی نے چھوٹے بچے یا لڑکی کو بھی شراب پلایا ہوگا۔ تو پلانے والے کو جہنم کا ماء حمیم پلایا جائے گا۔ ایسے ہی اہل جنت کے ملبوسات، زیورات، فرش وفروش، تختوں، نشستوں، خیموں اور رقبہ جات کا بھی بیان ہوا ہے۔ اہل جنت کی بیویوں ان کے اعداد وشمار ملامست وغیرہ کی بھی کیفیت سمجھائی گئی ہے۔ اولاد کا ہونا۔ حمل دودھ سے فراغت، سماع وغنا برتنوں کا استعمال، جنت کی خوشبوئیں۔ حور وغلمان۔ خدام واطفال، سواریوں، پرندوں، وحشی جانوروں، بازاروں، کھیتوں، جواہرات، یواقیت وغیرہ وغیرہ کوئی ایسی چیز نہیں جو ذکر ہونے سے رہ گئی ہو۔ غرضیکہ اس مختصر ذکر نے اہل اسلام کے اس امر پر ایمان رکھنے میں کہ جنت آسمانوں میں ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی سیر فرمائی ثابت کر دیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

غل ہوا سیر کو فردوس کے آتے ہیں حبیب	بولا رضواں کہ بھلا ایسے کہاں میرے نصیب
پیشکش کیا کروں اس شاہ زمن کے میں غریب	صدقہ ہے آپ کا جو خلد میں ہے چیز عجیب
کوئی دعوت کی نہیں بنتی ہے مجھ سے ترکیب	مگر امت کے مکانوں کی دکھاؤں ترتیب
ناگہاں آنے لگی کانوں میں آوازِ نقیب	عرض کرنے لگا یوں جا کے سواری کے قریب

Marfat.com

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی   دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

بالآخر حضور پرنور، شافع یوم النشور، تاجدار کائنات، مختارِ شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باری تعالیٰ سے رخصت ہو کر پہلے جنت الفردوس کے ملاحظہ کو تشریف لے گئے۔ اور اس کے اندر داخل ہوئے۔ اس کی زینت چمنوں کی طراوت۔ طرح طرح کے قصر و ایوان۔ قسم قسم کے عالی شان مکان ملاحظہ فرما کر بہت محظوظ ہوئے اور شکر خدا بجالائے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

معائنہ جہنم

درِ فردوس سے یوں سیّدِ ذیشاں نکلے
جس طرح صبح کو خورشیدِ درخشاں نکلے
چمنِ صورت وحدت سے حبیبِ داور
مسکراتے ہوئے مثلِ گلِ خنداں نکلے

ملاحظہ جنت سے فارغ ہو کر حضور معائنہ دوزخ کو تشریف لے گئے۔ ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہنم تمام دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور جنت اس سے پرے ہے۔ اسی واسطے پل صراط کے اوپر سے ہو کر جنت میں جاویں گے۔ اور جویبر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بروز قیامت جہنم کو کس طرف سے لائیں گے آپ نے فرمایا۔ ساتویں زمین سے اور اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی۔ ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوں گے۔ اور وہ چیختی ہوگی الی اھلی الی اھلی۔ یعنی جو میرے لوگ ہیں مجھے دو۔ پھر جب بندوں سے ایک ہزار برس کے فاصلہ پر رہ جاوے گی تو اس وقت ایک چیخ مارے گی۔ پھر کوئی فرشتہ مقرب۔ نبی و مرسل ایسا نہ ہوگا مگر اپنے گھٹنوں پر گر پڑے گا۔ اور کہے گا۔ رب نفسی نفسی بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ سوار ہو سمندر میں مگر مجاہد یا حاجی یا عمرہ کرنے والا کیونکہ سمندر کے نیچے دوزخ ہے ایک روایت میں عبدالبر رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ سمندر کے پانی سے وضو نہ کیا جاوے کیونکہ وہ جہنم کا طبقہ ہے۔ والبحر المسجور کی تفسیر میں ابوشیخ نے کعب سے روایت کی ہے کہ سمندر کو جھونکا جائے گا وہ جہنم بن جائے گی۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں وہب سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب قیامت آوے گی تو اللہ عزوجل صبح کی سفیدی کو حکم دے گا۔ اس سے ایک دوزخ نکل آئے گا۔ اور وہ اس کا پردہ ہوگا۔ پھر اس سے ایک آگ نکلے گی۔ جب وہ

Marfat.com

آگ سمندر کی طرف پہنچے گی۔ جو جہنم کے کنارے پر پھیلا ہوا ہوگا (اور بحر مسجور سے یہی مراد ہے) تو وہ اس کو پلک مارنے سے پہلے خشک کر دے گی اور وہی سمندر جہنم اور ساتوں زمین کے مابین حائل ہے پھر وہ سب ایک انگارہ بن جائے گا۔

جہنم کے دروازے:

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے دروازے ہوں گے۔ جس سے معذب لوگوں کو جہنم میں داخل ہونا ہوگا۔ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لها سبعة ابواب لكل باب منهم جزء مقسوم ۔ یعنی جہنم کے سات دروازے ہیں۔ اور ان کے لئے ہر دروازے سے حصہ بٹا ہوا ہے۔ اور فرمایا ''حتى اذا جائوها فتحت ابوابها ۔'' یعنی یہاں تک کہ جب جہنم کے پاس آویں گے اس کے دروازے کھول دیئے جاویں گے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لها سبعة ابواب کی تفسیر میں روایت کی ہے۔ وہ سات دروازے یہ ہیں۔ جہنم، سعیر، لظیٰ، حطمہ، سقر، جحیم، ہاویہ اور یہ سب سے نیچے ہے قرطبی نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلا دروازہ جہنم ہے۔ اور وہ بہ نسبت اور دروازوں کے عذاب میں کمتر ہے۔ وہ اس امت کے گنہ گاروں کے لئے ہے اور اس کو جہنم اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ مرد و زن کے مونہوں کو جھلس دے گا۔ اور ان کے گوشت کھا جائے گا۔ اور ہاویہ سب سے زیادہ گہرا ہے۔ اور بیہقی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ جنت کے دروازے اس طرح سے ہوں گے۔ اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں کو کھول دیا۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ دروازے کے اوپر دروازہ ہوگا۔ ہر ایک دروازے کو نمبروار بھرا جائے گا۔ اور بیہقی نے خلیل بن مرہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب تک تبارک الذی اور حٰم سجدہ نہ پڑھ لیا کرتے اس وقت تک نہ سوتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ حٰم بھی سات ہیں اور جہنم کے دروازے بھی سات ہیں۔ ان ساتوں میں ہر حٰم قیامت کے روز آ کر ان دونوں میں سے ایک ایک دروازہ پر کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے۔ اے میرے خدا اس دروازہ میں اس شخص کو مت داخل کر جو مجھ پر ایمان رکھتا تھا اور مجھ کو پڑھتا تھا۔ ابو نعیم نے عطا خراسانی سے روایت کی

Marfat.com

ہے کہ جہنم کے کئی دروازے ہیں۔ان میں سے سب سے زیادہ غم اور کرب اور گرمی اور بدبو کا دروازہ زنا کاروں کے لئے ہے۔ جو دیدہ و دانستہ گناہ کے مرتکب ہوئے۔ابوداؤد نے ابوقتادہ سے اورانہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ دوپہر کے وقت نماز کو بجز جمعہ کے روز کے مکروہ جانتے تھے۔اور آپ نے فرمایا ہے کہ بجز جمعہ کے روز کے ہر روز جہنم جھونکے جاتے ہیں۔ابوامامہ سے احمد نے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہر کے وقت نماز مت پڑھو۔ کیونکہ اس وقت جہنم دھونکے جاتے ہیں۔قرآن کریم اوراحادیث صحیحہ سے جہنم کے داروغوں اور فرشتوں کا ذکر بھی معلوم ہوتا ہے۔ابن المبارک اور بیہقی نے بنی نعیم کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ ہم ابو العوام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ علیها تسعة عشر وما جعلنا اصحب النار الاملئكة وما جعلنا على تعهم الا فتنه للذين كفروا. لوگوں نے کہا تم اس میں کیا کہتے ہو۔آیا انیس فرشتے مراد ہیں یا انیس ہزار تو جواب دیا گیا کہ نہیں صرف انیس فرشتے مراد ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔جہنم کے پیدا ہونے سے پیشتر ہزار برس جہنم کے فرشتوں کو پیدا کیا اوران کو ہر روز قوت پر قوت بڑھتی رہے گی۔ جب تک کہ لوگوں کے قدم اور پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔عبداللہ نے ابن عمران حسینی سے روایت کی ہے۔وہ کہتے ہیں ہم کو معلوم ہوا ہے کہ دوزخ کے انیس داروغہ ہیں۔ان میں سے ہر ایک کے کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے ان کے دلوں میں رحم نہیں ہے کیونکہ وہ عذاب کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔قرطبی نے بیان کیا ہے کہ ان انیس فرشتوں سے دوزخ کے بڑے فرشتے افسر مراد ہیں۔ورنہ دوسرے فرشتوں کی تعداد تو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا جو جہنم میں معین ہیں۔ جہنم بہت بڑی اور بُری جگہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہر مومن کو اس سے محفوظ فرمائے اس مختصر رسالہ میں اگر اس کے متعلق وہ تمام آیات واحادیث جو جہنم کے بیان میں وارد ہیں۔جمع کی جائیں۔تو ایک ضخیم جزو تیار ہو جائے۔لہذا! بطریقِ اختصار مومنوں کی ہدایت کے لئے چند نہایت صحیح اور ضروری حدیثیں نقل کرتے ہیں۔جن سے

Marfat.com

پڑھنے والے کے دوزخ کے عذاب کی نوعیت اور حیثیت معلوم ہو کر موجب ہدایت ہو سکے۔ بعض بیدین لوگ بعض روایات کو اور ارشادات نبوی علیہ السلام کو سن کر مضحکہ اڑاتے ہیں کہ اگر یہ اتنی اتنی بڑی چیزیں ہیں۔ اور اتنے اتنے بڑے فرشتے ہیں۔ تو یہ اس وقت کہاں ہیں۔ اور یہ ان کے اعتراضات محض ان کی کج فہمی اور کور باطنی کی دلیل ہوا کرتے ہیں۔ ورنہ ان سے پوچھا جائے کہ جب رات آ جاتی ہے تو سورج کہاں گم کر دیا جاتا ہے اور جب وہ اپنے معین وقت پر طلوع کرتا ہے تو رات جس نے تمام زمانہ ڈھانپ رکھا تھا۔ کہاں تہہ کر دی گئی ہے۔ ہم نے ایسی واہی تباہی اعتراضات کا جواب مفصل طور پر اسی کتاب میں کسی دوسرے مقام پر دیا ہے۔ جو مومن کی تسکین قلب کے لئے کافی سے زیادہ ہے اور درحقیقت یہ تمام رسالہ ہی ایسے معترضین کی کج بحثی کا جواب ہے۔ اور ایماندار کے لئے یہ مختصر بیان ایمان کے بڑھاؤ کا باعث ہوگا۔ احمد اور ترمذی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ویل جہنم میں ایک نالہ ہے جس میں چالیس برس تک کافر اس کی گہرائی تک پہنچنے سے قبل گرتا چلا جائے گا۔ اور صعود دوزخ میں ایک پہاڑ ہے۔ ستر برس تک دوزخی اس پر چڑھے گا۔ پھر وہاں سے لڑکے گا اور ہمیشہ اس طرح اسی حال میں رہے گا۔

سعید ابن منصور اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ویل جہنم میں ایک نالہ ہے۔ اس میں جہنمیوں کی پیپ بہتی ہے۔ تکذیب کرنے والوں کے لئے وہ مقرر کیا گیا ہے۔ عطا بن یسار سے اتنا زیادہ ہے کہ اگر اس میں پہاڑ بنا دیئے جائیں تو اس کی گرمی سے پگھل جائیں۔ فسوف یلقون غیا کی تفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ غی جہنم میں ایک نالہ ہے۔ یا کھولتے ہوئے پانی کی ایک نہر ہے۔ اس میں وہ لوگ ڈالے جاویں گے جو خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقی نے ابو امامہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر سو ۱۰۰ اوقیہ کے وزن کا پتھر جہنم کے کنارے سے چھوڑا جائے۔ تو ستر ۷۰ برس تک اس کے تلے نہ پہنچے۔ یہاں تک کہ وہ غی اور اثام میں پہنچے گا۔ میں نے عرض کی کہ غی اور اثام کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا جہنم میں دو نہریں ہیں جن میں

Marfat.com

دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے۔عبد الجبار خولانی سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس دمشق میں ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے آیا۔اس نے لوگوں کو دنیا میں مبتلا دیکھ کر کہا کہ یہ دنیا ان کے کس کام آئے گی۔کیا ان کے نیچے فلق نہیں ہے کسی سائل نے کہا کہ فلق کیا چیز ہے انہوں نے فرمایا کہ فلق جہنم کے نیچے ایک گڑھا ہے۔جس کو اوپر سے ڈھکا ہوا ہے۔جب اس سے ڈھکنا کھولا جاتا ہے تو اس سے ایسی آگ نکلتی ہے کہ دوزخ کی آگ اس کی حدت سے چلاتی ہے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حب الحزن سے اللہ کی پناہ مانگو۔عرض کیا گیا کہ حب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں ایک نالہ ہے۔جہنم اس سے ہر روز سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث سے مرفوعاً روایت ہے کہ تین شخص وہ ہیں جن پر اللہ غصے ہوگا۔اور ان کی طرف التفات نہ فرمائے گا۔اور نہ ان سے کلام کرے گا۔اور وہ منا کے اندر ہوں گے۔ایک وہ شخص جو تقدیر سے انکار کرتا ہے اور ایک وہ جو خدا کے دین میں بدعت نکالتا ہے۔اور ایک وہ جو ہمیشہ شراب پیتا ہے۔الخ۔

جہنم کی گہرائی:

مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ہم نے کسی چیز کے گرنے کی سخت آواز سنی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کیا آواز ہے۔ہم نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسول خوب واقف ہے۔تو آپ نے فرمایا کہ ستر برس کا زمانہ گزرا جب یہ پتھر جہنم میں چھوڑا گیا تھا۔اور وہ برابر آگ میں اب تک جا رہا تھا۔یہاں تک کہ اس وقت جہنم کی تہہ میں پہنچا ہے۔ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز سنی۔جس سے آپ کے مزاج میں تغیر ہوا۔اس وقت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے آپ نے فرمایا۔اے جبرائیل یہ آواز کیسی ہے۔حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ یہ ایک پتھر ہے۔جو ستر برس سے جہنم کے کنارے سے چھوڑا گیا تھا۔اس وقت وہ دوزخ کے تلے میں پہنچا ہے۔خداوند عالم کو یہ بات پسند آئی کہ آپ کو اس کی آواز سنادی۔پھر اس روز سے بعد حضور علیہ السلام کو

Marfat.com

کسی نے زور سے ہنستے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ آپ اس عالم سے تشریف لے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دوزخ کو بہت یاد کیا کرو کہ اس کی گرمی سخت اور وہ بہت گہرا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بچو ایسی آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے وقودھا الناس والحجارۃ کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ اس سے گندھک کے پتھر مراد ہیں۔ جس طرح سے خدا چاہے گا ان کو کردے گا۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ دوزخ کے اندر سیاہ گندھک کے پتھر ہیں۔ دوزخیوں کو ان پتھروں کے ساتھ آگ میں جلا کر عذاب کیا جائے گا۔ قرطبی نے بیان کیا ہے کہ گندھک کے پتھر اس کام کے لئے اس لئے خاص کئے گئے ہیں کہ پانچ باتیں ان پتھروں میں ایسی ہوتی ہیں جو اور پتھروں میں نہیں ہوسکتیں ایک یہ کہ جلدی سے آگ پکڑنا۔ اور روشن ہونا۔ دوسرے بدبودار ہونا۔ تیسرے دھواں کثرت سے پیدا کرنا۔ چوتھی بدن کے ساتھ چمٹنا۔ پانچویں گرم ہونے کے بعد بہت زیادہ گرم ہونا قرطبی نے کہا کہ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ یہ بات اس آگ کے لئے خاص ہے کہ جو کافروں کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ حضرت انس نے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی **وقودھا الناس والحجارۃ** ط اور فرمایا کہ دوزخ کو ہزار برس تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگیا۔ پھر ہزار برس تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگیا۔ اور پھر ہزار برس تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگیا۔ اب وہ سیاہ اور تاریک ہے۔ اس کی بھڑک نہیں بجھتی۔ شیخین نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی آدم جو آگ جلاتے ہیں۔ وہ دوزخ کی آگ کے بہتر حصوں سے ایک حصہ ہے۔ دوزخ کے لباسوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ کافروں کے لئے آگ کے کپڑے تراشتے جائیں گے۔ اور یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ **سرابیلھم من قطران**۔ یعنی کپڑے ان کے گندھگ کے ہوں گے اور ایک قرأت میں فرمایا گیا کہ **قطران**۔ یعنی پگھلے ہوئے تانبے کے جو بے حد گرم ہوگا۔ ابونعیم نے وہب بن مبنہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دوزخیوں کو کپڑے دیئے جائیں گے۔ مگر ننگا رہنا ان کے لئے بہتر ہوگا۔ زندگی ان کو دی جائے گی۔ مگر اس سے مرنا بہتر ہوگا۔ ابو مالک اشعری نے

Marfat.com

روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلا کر رونے والی عورت نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہوگی تو قیامت کے روز اس کو کھڑا کر کے گندھک اور خارشت کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ ابن حبان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تجھ کو دوزخیوں کا زیور پہنے ہوئے دیکھتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوزخیوں کو زیور بھی پہنایا جائے گا۔ اور دنیا میں لوہے کا زیور پہننا دوزخیوں کی تشبیہ کے باعث حضور نے منع فرمایا ہے۔ حدیثوں میں دوزخ کے متعلق اس قدر طویل روایات اور بیشمار بیان ذکر کئے گئے ہیں۔ جن کو اگر من وعن یہاں لکھا جائے۔ تو ایک علیحدہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ دوزخ کے زیورات، بستروں، زنجیروں، طوقوں، بیڑیوں، گرزوں، جہنم کے سایوں، کھانے، پینے، سانپوں، بچھوؤں اور مکھیوں کا ایک واضح ذکر ہے۔ کفار کے عذاب کی نوعیت، جہنم کے طبقوں دوزخیوں کے چیخنے چلانے اور صورتوں کے بگڑ جانے کا بھی مفصل بیان ہے مگر بخوف طوالت یہاں مختصر لکھا جاتا ہے۔ اوسط میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے لئے جہنم کی گرمی حمام کی گرمی کے برابر ہوگی۔ ابو سعید فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا سب سے ہلکا عذاب دوزخیوں میں جس شخص کو ہوگا۔ اس کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس امت سے ایک گروہ ایسا دوزخ میں جائے گا کہ آگ ان کے تمام جسم کو جلاوے گی مگر چہرہ کو نہ جلائے گی۔ پھر وہ اس سے نکال لئے جاویں گے۔ اس کے متعلق کہ دوزخ میں کون لوگ زیادہ جاویں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے گروہ عورتوں کے تم صدقہ کرو کہ میں نے زیادہ تر تمہیں کو دوزخ میں دیکھا ہے۔ ایک عورت نے سن کر عرض کیا کہ ہم میں کیا بات ہے۔ جو دوزخ میں زیادہ تر ہیں۔ آپ نے فرمایا تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا فساق دوزخ میں جاویں گے۔ عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ عورتیں۔ پھر ایک شخص نے گزارش کی کہ کیا یا رسول اللہ وہ ہماری مائیں بہنیں اور بیویاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ لیکن اگر ان کو کوئی چیز دی جاوے تو فکر نہیں

Marfat.com

کرتیں۔ اور اگر کوئی مصیبت پڑے تو صبر نہیں کرتیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے روز اس عالم کو ہوگا۔ جس کو اس کے علم نے نفع نہ دیا ہوگا (یعنی وہ بد عمل ہوگا) عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے جو شخص فتویٰ دینے پر زیادہ دلیری اور جرأت کرتا ہے وہ آگ کے اوپر زیادہ جرأت رکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نے فرمایا جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔ حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کسی شخص سے علم کی بات دریافت کی جائے پھر وہ اس کو چھپائے۔ خدا تعالیٰ بروزِ قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام دے گا شیخین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سب لوگوں سے زیادہ عذاب مصوروں کو ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جنہوں نے انبیاء کو برا کہا ہے۔ اسی کی مانند ایک روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی ہے کچھ الفاظ کی زیادتی سے انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کو سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا۔ جس نے نبی کو قتل کیا۔ یا اس کو نبی نے قتل کیا۔ اور امام ظالم کو اور مصوروں کو بھی اس کے ساتھ ہی ذکر فرمایا۔ اللھم احفظنا واجرنا من النار ط

☆☆☆☆☆

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ناجی ہونا

خدا کی رحمت جہاں میں تو رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے

نسب تیرا ہے سب سے اعلیٰ کریم ابن کریم بھی ہے

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ معراج میں اکثر مصنفین نے اپنے معراجناموں میں جہاں معائنہ دوزخ کا ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ حضور نے اپنے ماں باپ کو دوزخ میں دیکھا اس لئے کہ ان کی موت کفر پر تھی۔ یا یوں لکھا کہ وہ عذاب میں مبتلا تھے۔ گویا وہ قطعی ناری ہیں۔ اور اسلام پر ان کا خاتمہ نہیں ہوا۔ قادر یار پنجابی اور ملا علی قاری وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا اور ایسا نسبت کرنا جمہور اہلِ اسلام کی خلاف ہے۔ فقیر یہاں یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ متقدمین کی اکثریت اس مسئلہ میں کس طرف ہے اور اہلِ اسلام کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیے۔ اور جن احادیث واقوال سے قاری اور قادر یار نے یہ مسئلہ لیا ہے۔ ان کی حیثیت کیا ہے لیکن اس بحث میں پڑنے سے پہلے ان سطور سے آگاہی بھی لازمی ہے کہ تاجدارِ دنیا و عقبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے ایک معزز و ممتاز قبیلہ قریش کے الوالعزم فرد ہیں۔ اور حضور کی ولادت اس قبیلہ کے لئے تمام قبائل عرب سے موجب صد ہزار فضیلت ہے۔ کیونکہ مقرب بارگاہ الٰہی حضرت جبرائیل امین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مشارق و مغارب کی سیاحت میں میں نے کسی انسان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل اور کسی خاندان کو بنی ہاشم سے بلند درجہ نہیں پایا۔ اور اسی کے مطابق خود سرکارِ انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ رب اکبر نے مجھے ذاتی عظمت و سعادت کے علاوہ خاندانی شرافت سے بھی ایسی سرفرازی عطا کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک میرا تمام خاندان بدکاری۔ بداخلاقی اور بے احتیاطی سے منزہ ہے پھر کیا امت کو حضور کے اپنے ارشاد پر بھی ایمان نہیں آتا کہ آپ کے والدین پر دوزخی ہونے کا گمان

Marfat.com

کیا جاتا ہے جبکہ اس مسئلہ میں ایک بہترین جماعت علمائے متقدمین کی بھی اسی عقیدہ پر ہے کہ حضور کے سلسلہ نسب کے تمام وہ افراد جن میں حضور کا نورِ اطہر منتقل ہوتا رہا تمام کے تمام جنتی ہیں۔ اور قرآن کریم بھی حضور کی اس فضیلت میں مصدق ہے۔ اور یہ بھی فرماتا ہے کہ جو انسان رسول خدا علیہ السلام کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستہ کے سوا کسی اور راہ کا متبع ہو وہ جہنمی ہے پھر کیا عجیب وہ مسلمان ہے جو حضور کے والدین کے متعلق جہنمی ہونے کا عقیدہ رکھ کر خود جہنمی ہو جائے (نعوذ باللہ من ذالک)

یہاں پر فقیر بلا لومتہ لائم اس مسئلہ میں اہل ایمان کے سامنے اصل عقیدہ کا اظہار کرتا ہے۔ مومنوں کو محبت سے ملاحظہ فرمانا چاہیے۔ خداوندِ عالم بدعقیدگی سے سب کو مامون فرمائے۔

مواہبِ لدنیہ و دیگر کتب میں بروایت حاکم وطبرانی و دیگر محدثین مروی ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے تو اول مسجد میں تشریف لائے وہاں آپ نے مجلس عام میں اجلاس فرمایا جیسا کہ حضرت کعب بن مالک نے صحیح میں روایت کی ہے پھر عباس بن عبدالمطلب نے اجازت چاہی۔

آپ نے دعائے خیر دے کران کو اجازت فرمائی تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

من قبلها طبت فی الظلال و فی — مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر — انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد — الجم نسر اواهله الغرق
تنقل من صالب الی رحم — اذا مضی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مکتتما — فی صلبه انت کیف یحترق
حتی احتوی بیتك المهیمن من — خندف علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت الارض — وضاءت بنورك الافق

فنحن فی ذالك الضیاء و فی
النور و سبل الرشاد نخترق

ترجمہ: یعنی قبل ولادت شریف آپ ایک عمدہ حالت میں تھے۔ صلبِ آدم علیہ السلام میں

Marfat.com

جہاں پیوند لگائے جاتے تھے۔ یعنی جنت میں پھر آپ صلبِ آدم علیہ السلام میں حضرت آدم کے ساتھ زمین پر اترے۔ نہ اس وقت آپ بشر تھے نہ ٹکڑا گوشت کا اور نہ خون جما ہوا بلکہ صلبِ سام بن نوح علیہما السلام میں سوار کشتی میں آپ ایک نطفہ تھے۔ درانحالیکہ بت نسر کو ڈبویا اور اس کے پوجنے والوں کو طوفان میں غرق کیا۔ آپ اسی طرح ایک عالم کے گزرنے پر دوسرے طبقہ میں ایک پشت سے ایک رحم میں تشریف فرما ہوتے رہے آپ نے نزول فرمایا۔ صُلب خلیل علیہ السلام میں چھپ کر آتش خلیل میں پھر وہ کس طرح جلتے۔ آپ اس وقت تک اصلاب کریمہ میں منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا شرف نسب اولاد خندف بلند نسب سے شامل ہوا درانحالیکہ اس میں اور طبقات بھی تھے۔ اور حضور کی ولادت سے زمین چمک گئی اور اطراف شام روشن ہو گئے اور اب ہم اسی آپ کے نور کی روشنی میں ہیں۔ اور ہدایت کے رستوں پر چل رہے ہیں۔

ان اشعار میں حضرت عباس بن عبد المطلب اظہار فرما رہے ہیں۔ کہ آپ ہمیشہ اصلاب کریمہ سے ارحام مطاہرہ میں منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے ظہور فرمایا۔ پھر کس طرح یہ کہا جائے گا کہ وہ صلب اور رحم جن سے آپ کا ظہور ہوا ناری تھی۔ جبکہ آپ کے نور کی طفیل آگ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام محفوظ رہتے ہیں اور اسی نور کے باعث وہ بھی گلزار ہو جاتی ہے۔ امام سیوطی مسالک الحنفا فی والدے المصطفٰے میں لکھتے ہیں کہ امام قاضی ابو بکر ابن العربی سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ناری ہیں تو اسکا کیا حکم ہے۔ امام موصوف نے فرمایا وہ ملعون ہے۔ بحکم اس آیت کے کہ تحقیق جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو البتہ لعنت کرتا ہے ان کو اللہ دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے عذاب دردناک تیار رکھا ہے۔ عیاذاً باللہ۔ اس سے بڑھ کر کیا ایذا ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو ناری کہا جائے اور یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہی موجبِ کفر ولعنت ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے والدین کو کسی قسم کا عیب لگانے سے پرہیز کرنا واجب ہے کیونکہ یہ ایذا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ سبب اس بات کے کہ عرف جاری ہے۔ جب کسی شخص کے روبرو اس کے والدین کا عیب کریں یا ایسی تعریف کریں کہ اس سے اس کے والدین کی اہانت نکلتی ہو تو اس سے اولاد کو ایذا ہوتی ہے۔ شفائے قاضی عیاض میں ہے کہ ملک عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے روبرو ایک شخص سلیمان بن سعد نے جوان کا منشی تھا۔ ایک مرتبہ کہا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین (معاذ اللہ) غیر مسلم تھے۔ سلطان عمر بن عبدالعزیز بہت غضبناک ہوئے۔ اور اس کو خدمت و ملازمت سے جواب دے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین میں سے اکثر بزرگانِ دین اسلام آباء کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پختگی ایمان سے قائل ہوئے ہیں۔ مرام الکلام میں مولانا عبدالعزیز پرہاری تحریر فرماتے ہیں کہ جب ملا علی قاری نے رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی تکفیر میں رسالہ لکھا اور امام جلال الدین سیوطی کے بعض رسائل کی تردید لکھی تو رات کو اس ارادہ پر سوئے کہ صبح کو اس کی اشاعت کروں گا۔ مگر صبح اٹھتے ہی سیڑھی سے پاؤں پھسلا اور ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس رات شیخ شہاب الدین رضی اللہ عنہ ابن حجر مکی نے خواب میں دیکھا کہ ملا علی قاری کعبہ مبارک کی چھت پر چڑھ کر گر پڑے ہیں۔ اس کی تعبیر بھی علامہ ممدوح نے یہی کی کہ بوجہ اہانت والدین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قاری کو اپنے بلندی درجات سے یہ پستی نصیب ہوئی ہے۔ اور انہوں نے اس مسئلہ میں بڑی سخت ٹھوکریں کھائی ہیں (العیاذ أباللہ) بعض علماء نے مسلم شریف کی وہ حدیث لی ہے۔ جس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور پرنور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کا ٹھکانا دریافت کیا (کہ وہ جنت میں ہے یا دوزخ میں) تو حضور علیہ السلام نے فرمایا دوزخ میں ہے۔ راوی نے کہا۔ جب وہ واپس ہوا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر فرمایا کہ میرا اور تیرا باپ دونوں دوزخ میں ہیں۔ لیکن علمائے کرام نے اس کا جواب دو طرح پر دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ عرب اپنی عادت کے مطابق چچا کو

Marfat.com

بھی باپ کہتے ہیں۔ جیسے امام رازی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ تارخ جو مومن تھے اور چچا آذر ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن نے ابیہ آزر۔ یعنی آزر باپ فرمایا ہے۔ ویسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اپنے چچا ابو طالب کو باپ کہہ کر فرمایا کہ وہ ناری ہیں دوسرا جس قدر احادیث اس باب میں وارد ہیں کہ حضور کے والدین آگ میں ہیں۔ قرآن کریم سے منسوخ ہیں کہ اہل فترت کو عذاب نہیں ہے تو گویا مندرجہ بالا مسلم کی حدیث سے اپنے حقیقی والد حضرت عبداللہ کے ناری ہونے کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ وہ ابو طالب چچا کو باپ کے معنوں میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت کے وصل عادت نبوی میں فرماتے ہیں۔ ''مخفی نماند کہ صحت اسلام ابوین بلکہ سائر آبائے وے صلی اللہ علیہ وسلم مشہور است وشیعہ اسلام ابو طالب را نیز ازیں قبیل دانند۔ یعنی حضور علیہ السلام کے والدین شریفین بلکہ تمام پشت تا آدم علیہ السلام کا اسلام مشہور ہے اور اسی وجہ سے شیعہ ابو طالب کو بھی اسی قبیل سے سمجھتے ہیں اور حضرت شیخ نے ترجمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ ''خدائے تعالیٰ جزائے خیر وہد شیخ جلال الدین سیوطی را کہ دریں باب رسائل تصنیف کردہ اند۔ افادہ واجادہ نمودہ این مدعا را ظاہر و باہر گردانیدہ اند و ماشاء اللہ کہ این نور پاک رادر جائے ظلماتی پلید بہ نہند۔ ودر عرصاتِ آخرت مخزی و مخذول گردانند۔'' یعنی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے شیخ جلال الدین سیوطی کو کہ جس نے اسلام آباء کرام نبی علیہ السلام میں متعدد رسائل لکھے ہیں اور اس مدعا کو ظاہر فرما کر تمام پر اس کے فائدے کا اظہار فرمایا ہے۔ اللہ کی پناہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک کو کفر کی تاریکی میں رکھیں اور آخرت میں ان کی رسوائی کریں۔ آیت من انفسکم کی تفسیر میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اس کے یہ معنی ہیں کہ ولادت جاہلیت سے حضرت کو کوئی چیز نہیں پہنچی اور خود سرور کائنات فخر موجودات نے بھی فرمایا کہ خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح۔ یعنی میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ سفاح سے نہیں ہوا۔ راجہرمزی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوع روایت کی ہے کہ حضور نے

Marfat.com

آدم سے اپنی ولادت تک اپنے تمام آباؤ کو نکاح سے مولود ہونا بغیر سفاح یعنی زنا کے بیان فرمایا ہے اس سے مخصوص بصیغہ عقد نکاح ظاہراً مراد نہیں بلکہ مقابل زنا مراد ہے۔ یعنی حرام سے کوئی پیدا نہیں ہوا۔ سب حلال سے پیدا ہوئے۔ خواہ حلت بوجہ عقد کے ہوئی یا حلت بوجہ ملک یمین کے جیسے سیّدنا اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ حدیث موصولاً بھی آئی ہے۔ اس میں اتنا زیادہ ہے۔ من الدن ادم الی ان ولدتی ابی و امی لم یمسنی من سفاح الجاهلية شئ۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو حضرت سیّدنا جعفر بن ابی طالب نے نجاشی سے اور مغیرہ بن شعبہ نے کسریٰ کے سامنے ذکر کیا تھا۔ اور بہت سے متقدمین نے لفظ انفس کو نفاست سے ہی پڑھا ہے اور مراد اس سے شرف و کرامت و فضل ہی لی ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام جمیع عالم اور جملہ بنی آدم سے اکرم و اشرف اور افضل ترین ہیں۔ تفسیر آیت بالمومنين رؤف رحيم. میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ عرب میں کوئی قبیلہ مضر و ربیع و یمانی ایسا نہیں ہے۔ جس میں حضرت کا رشتہ ولادت نہ ہو۔ اس بنیاد پر مقصود ترغیب عرب نصرت اور ایمان لانے پر ہے۔ کیونکہ ان کے شرف و فخر کا اتمام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف و فخر سے ہوتا ہے۔ حضرت نسب و صہر و عظمت و کرامت خاندان میں ان سب سے انفس نفیس تھے حدیث واثلہ بن الاسقع میں بالفاظ ذیل ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ان الله اصطفىٰ من ولد ابراهيم اسمٰعيل واصطفىٰ من ولدا اسمٰعيل بني كنانة واصطفىٰ من بني كنانة قريشًا واصطفىٰ من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے اسمٰعیل علیہ السلام کو چن لیا پھر اولاد اسمٰعیل سے بنی کنانہ کو چنا پھر بنی کنانہ سے قریش کو خاص کیا۔ اور قریش سے بنی ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم سے مجھے فضیلت میں سرفراز فرمایا حضرت عباس بن عبد المطلب کا لفظ مرفوع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلق کو پیدا فرمایا تو مجھ کو خیر خلق میں ٹھیرایا پھر جب ان کو جدا جدا کیا۔ مجھ کو بہتر فریق میں رکھا۔ پھر جب قبائل پیدا فرمائے مجھ کو بہتر قبیلہ میں کیا اور

Marfat.com

جب انفس پیدا کیے تو مجھ کو خیر انفس ٹھیرایا۔ پھر جب خاندان بنائے تو مجھ کو بہتر خاندان میں دیا۔ فانا خیر هم بیتاً و خیر هم نفساً۔ اسی کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں۔ یہ تمام حدیثیں اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرف و کرامت نسب وحسب میں نخبۃ النخبۃ اور خلاصۃ الخلاصۃ وصفوۃ الصفوۃ اور خیرۃ الخیرۃ تھے۔ علامہ سیّد محمد برنجی مدنی لکھتے ہیں کہ بیشمار وہ برگانِ دین گزرے ہیں۔ جنہوں نے اسلام والدین شریفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام آبا وکرام و امہات عظام حضور علیہ السلام پر مدلل رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ محدث ابو نعیم دلائل النبوۃ میں یہ حدیث لائے ہیں۔ کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ رسول خدا علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا کہ میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اصل عبارت حدیث مبارک یوں ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم اذل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات۔ ایک اسی مضمون کی حدیث سنن بیہقی میں بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں ہوں محمد ابن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف یونہی اکیس [۲۱] پشت تک نسب نامہ مبارک بیان کر کے فرمایا کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوتے۔ مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں پیدا فرمایا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین تک خالص نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہترین ہیں۔ الحاصل الفاظ مختلفہ سے احادیث کثیرہ اس بارے میں وارد ہیں۔ جن کو مفصل لکھنا کتاب کے حجم کو بڑھائے گا قارئین کی تصدیق کو ہم یہاں صرف ان کے حوالہ جات درج کئے دیتے ہیں جس کو تحقیق کی ضرورت ہو اصل سے ملاحظہ کر لے۔ مثلاً اسی مسئلہ پر ایک حدیث صحیح مسلم جلد دوم کے کتاب الفضائل میں آئی ہے۔ دوسری بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ترمذی

Marfat.com

میں۔ تیسری طبقات ابن سعد میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ذکر کی گئی ہے۔ چوتھی قاضی عیاض مالکی کی بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہ ہے۔ جن کا ملخص ترجمہ یوں ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ذاتِ مقدس ہے جو برگزیدہ کی گئی ہے اور خدا نے پاک صلبوں اور پاک رحموں سے حضور کو مبعوث فرمایا ہے۔ آپ سیّدنا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا ابوین شریفین اصلابِ طیبہ اور ارحام طاہر سے تشریف لائے۔ اور حضور کے جمیع آباء کرام مومن و مسلمان تھے۔ مشکوٰۃ شریف کی کتاب الفضائل میں ایک اور حدیث بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں بہترین طبقوں سے بنی آدم کے ہر زمانہ میں بھیجا گیا ہوں۔ یہاں تک کہ میں اس طبقہ میں ہوں جو بہترین طبقہ ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خیرِ قرون سے مراد بنی آدم کا وہ طبقہ ہے جس طبقہ میں حضور کے اجدادِ کرام علیہ السلام تھے اور آنحضرت اُن کی پشتوں میں تھے۔ حضور سرور عالم آدم علیہ اسلام سے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار تک کفر کی برائی زنا کی پلیدی اور شرک کی نجاست سے بالکل پاک ہیں۔ جس کے متعلق سرکارِ انبیاءؑ خود فرماتے ہیں کہ میں پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف آیا ہوں۔ ان احادیث و اقوال ائمہ و بزرگانِ دین سے معلوم ہوا کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء شریفہ و امہات لطیفہ حضرت آدم و حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عبد اللہ و آمنہ رضی اللہ عنہما تک مومنین تھے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام بقول جمہور حضرت عبد اللہ والد ماجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت سیّدنا ابو البشر آدم علیہ السلام تک پچاس مذکور ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب ۲ بن ہاشم ۳ بن عبد مناف ۴ بن قصی ۵ بن کلاب ۶ بن مرہ ۷ بن کعب ۸ بن لوئی ۹ بن غالب ۱۰ بن فہر الموسوم بہ ۱۱ قریش بن مالک ۱۲ بن نضر ۱۳ بن کنانہ بن خزیمہ ۱۵ بن مدرکہ ۱۶ بن الیاس ۱۷ المعروف بہ یاس بن مضر ۱۸ انزار بن معد ۱۹ بن

Marfat.com

عدنان۲۰ بن ادبن ۲۱ ادوبن۲۲ یسع ۲۳ بن ہمیع ۲۴۔ بن سلامان ۲۵ بن حمل ۲۶ بن قیدار ۲۷ بن اسمٰعیل ۲۸ ذبیح اللہ بن حضرت ابراہیم خلیل ۲۹ اللہ بن تارخ ۳۰ بن ناخور ۳۱ بن شاروخ ۳۲ بن ۳۳ ارعوبن قالغ ۳۴ بن ۳۵ عابر بن شالخ ۳۶ بن قینان ۳۷ بن ارفخشد ۳۸ بن سام ۳۹ بن نوح ۴۰ بن لامک ۴۱ بن متوشلخ ۴۲ بن اخنوخ ۴۳ المعروف بہ ادریس بن بارو ۴۴ بن مہلائیل ۴۵ بن قینان ۴۶ بن انوش ۴۷ بن شیث ۴۸ بن آدم ۴۹ علیہ السلام وعلیٰ نبینا۔ اور آپ کی والدہ مطہرہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ کلاب تک جا ملتا ہے اور بقول بعض محققین آدم علیہ السلام تک حضرت آمنہ کی انچاس پشتیں ہوتی ہیں۔ حضرت امام ابن الکلبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی امہات کرام کا پانچ سو امہات تک سلسلہ لکھا ہے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام نانیاں دادیاں اور ان کی تمام بہنیں یعنی خالائیں وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام امہات کرام علیہن الرحمۃ والرضوان مومنہ ومتقیہ تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لقد جاء کم رسول من انفسکم۔ بفتح فاء تلاوت فرمائی اور زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ میں ازروئے نسب وصہر وحسب تمہارے میں کا نفیس ترین ہوں اور میرے آباءِ کرام میں آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک کوئی سفاح نہیں تھا۔ بلکہ نکاح تھا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ پڑھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انفسکم اور فرمایا کہ تحقیق میں تمہاری طرف نفیس ترین ازروئے حسب ونسب کے آیا ہوں اور میرے آباءِ کرام میں آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک سفاح نہیں بلکہ نکاح تھا۔ بیہقی میں ہے کہ فرمایا میرے آباءِ کرام تمام تر مسلمان تھے اور آیت کریمہ وتقلبك فی الساجدین۔ کی تفسیر میں بھی بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اطہر ساجدون سے ساجدون کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ جس سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ آپ کے ابوین شریفین اہلِ جنت سے ہیں اور یہی پاکیزہ

Marfat.com

عقیدہ اکثر متقدمین و متاخرین اہل سنت والجماعت رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے اور تمام مسلمانوں کو اللہ کریم اسی پر رہنے کی توفیقِ رفیق فرمائے تا کہ کسی بدعقیدگی سے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں بے ادب و گستاخ ہو کر مغضوب ہوں وباللّٰہ التوفیق ؕ

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسئلہ معراج اور معترضین

صفتِ بادۂ عشقش زمنِ مست مپرس
ذوقِ ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

راویانِ والا تبار فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی معراج کی خبر جب مکہ معظّمہ میں مشہور ہوئی۔ تو معاندین نے منکرین کی صورت بنا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم آسمانوں کے حال سے تو باخبر نہیں ہیں۔ مگر اپنی سیر و سیاحت اور دنیوی کاروبار کے لحاظ سے بیت المقدس کو جانتے ہیں۔ اور ہم سے بہتوں نے اس کو دیکھا بھی ہے۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کو کبھی وہاں کا سفر پیش نہیں آیا۔ اور نہ آپ نے اس کو دیکھا ہے۔ اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اس کی نشانیاں بتائیے۔ تب ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ اس وقت حضور علیہ السلام کو ایک قسم کا ملال ہوا۔ اور قلبِ اطہر میں خیال آیا کہ میں ہنگامِ آمدورفت اطراف و جوانب اور آیات و علامات بیت المقدس کو کما حقہ نہ دیکھ سکا پھر کیسے بیان کروں گا۔ ابھی یہی تامل خیالِ مجید میں متحرک تھا کہ جبرائیل علیہ السلام بحکم ربِ جلیل جلشانہ، فوراً بیت المقدس کو اپنے پروں پر اٹھا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے۔ اور جو جو باتیں معترضین نے بطریقِ اعتراض دریافت کیں یا کرتے گئے۔ آپ ان کا جواب عینی ملاحظہ کی بنا پر دیکھ کر فرماتے گئے۔ جیسا کہ ابو سلمہ نے کہا میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب اسراء بیت المقدس کی خبر میں قریش نے میری تکذیب کی۔ تو میں حجر میں کھڑا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر کر دیا۔ پس میں اس کو دیکھتا تھا۔ اور اس کے نشانات قریش کو بتلاتا جاتا تھا۔ ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں مقام حجر میں اس حال سے کھڑا تھا کہ

Marfat.com

قریش مجھ سے شب معراج کی سیر پوچھتے اور خانہ بیت المقدس کی بہت سی چیزیں دریافت کرتے جاتے تھے۔ جن کو میں نے بوقتِ قیام بیت المقدس محفوظ نہیں رکھا تھا۔ جس سے مجھے کرب ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے واسطے اس طرح بلند فرمایا کہ میں اس کو دیکھتا تھا۔ اور جو کچھ انہوں نے پوچھا۔ میں نے ان کو اس کی خبر دی۔ پھر گمراہوں کو جب اپنے اعتراضات کا جواب شافی ملا۔ اور مجالِ دم زدن نہ رہی تو کہنے لگے کہ مسجد اقصیٰ کے اوصاف و آثار تو آپ نے من وعن سب بیان فرما دیئے ہیں۔ اب ہمارے قافلوں کی جو اس طرف یعنی بیت المقدس کو تجارت وغیرہ امور کے لئے گئے ہیں خبر دیجئے کہ آیا ان سے بھی حضور نے ملاقات کی یا نہیں اور کس کس سے راستہ میں علیک سلیک کا موقع ملا۔ اور اگر ملا تو کہاں اور کیسے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے تین قافلے مجھے راہ میں ملے تھے۔ ایک تو روحا میں ملا۔ جو اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے ان کے برتن سے پانی پیا تھا۔ جب وہ آئیں تو تم ان سے دریافت کرنا کہ انہوں نے تلاش اونٹ سے واپس آ کر اپنے برتن میں پانی پایا یا نہیں اور دوسرا قافلہ مجھے ذی مروہ میں ملا تھا۔ دو آدمی اس کے ایک اونٹ پر سوار تھے۔ کہ مرکب ان کا میرے مرکب سے بھڑکا۔ اور ان دونوں میں سے ایک کا گر کر ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اسی طرح کی ایک اور روایت ہے کہ حضور جب واپسی پر سوار ہی تشریف لا رہے تھے۔ ایک مقام پر ایک اور قافلہ ملا۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں کہ راہ میں ہمارا گزر قریش کے ایک قافلہ پر ہوا۔ جو اپنے اونٹوں پر اناج لادے ہوئے آتا تھا۔ ان میں ایک اونٹ پر دو بوریاں تھیں ایک کا رنگ سیاہ اور دوسری کا سفید تھا۔ جب میرا براق اس اونٹ کے برابر پہنچا تو وہ بدکا اور چکرا کر منہ کے بل گر پڑا۔ اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اور تیسرے قافلے کو میں نے مقام تنعم میں چھوڑا تھا۔ فلاں فلاں شخص ان میں کے خاکستری اونٹ پر سوار قافلہ کے آگے آگے چل رہے تھے اور وہ کل ہی طلوع آفتاب تک یہاں آ جائے گا۔ یہ سن کر معترضین طلوع آفتاب کے منتظر رہے کہ اگر طلوع آفتاب ہو جائے اور قافلہ نہ آئے تو ہم حضور علیہ السلام کو منسوب بہ کذب کریں گے کہ ناگہاں

Marfat.com

آفتاب طلوع ہوا۔ لوگوں نے دوڑ کر دیکھا۔ تو وہی قافلہ وارد مکہ ہو رہا ہے۔ اور وہی دو شخص خاکی اونٹ پر سوار قافلہ کے آگے آگے چلے آ رہے ہیں۔ پھر بعد واپسی بقیہ قافلوں کے حالات معلوم کئے گئے۔ سب نے حضور کی تصدیق فرمائی اور بعینہٖ حضور علیہ السلام کا فرمودہ حال بیان کیا۔ مگر بعض مذبذبین اس پر بھی ایمان نہ لائے اور کہنے لگے ما ھذا الا سحرٌ مبین۔ بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ معراج شریف کی واپسی پر جب حضور حرم شریف میں تشریف فرما ہوئے تو سب سے پہلے ابو جہل مردود ہی حضور کے سامنے آیا۔ اور کہنے لگا کہ اے محمد فرمایئے کیا بات ہے جو صبح صبح ہی حرم میں سہل نشینی ہو رہی ہے۔ کیا کوئی نیا انکشاف ہوا ہے یا کسی نئی بات کے اظہار کا ارادہ ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے واقعہ معراج شریف جسمانی بیان فرمایا۔ چونکہ روحانی معراج کے کفار بھی قائل تھے۔ اس لئے جسمانی معراج کو سن کر ابو جہل کا دماغ چکرایا کہ یہ کیا حقیقت ہے۔ انسان اپنی کثافت جسمانی کے ساتھ پروازِ آسمانی کرے محال ہے۔ لیکن وہ کم بخت یہ نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ایک بڑے سے بڑے بزرگ انسان کی جان سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ الغرض اس نے واقعہ معراج کو سن کر اپنے خبثِ باطنی سے یہ نتیجہ نکالا کہ جو لوگ پہلے آپ کی نبوت کے قائل ہو چکے ہیں اب ان کے مرتد کر لینے کا ذریعہ ہاتھ آیا۔ نہ اس امر کی کوئی تصدیق کرے گا۔ اور نہ کوئی دماغ اس کی تصدیق میں تیار ہوگا۔ لہٰذا سرکار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز کو جھٹلانے اور لوگوں کو بے دین کرنے کی غرض سے اہل مکہ کے دروازوں پر پہنچا کہ آؤ تمہیں ایک نئی بات سنائیں۔ تمہارے نبی علیہ السلام نے آج ایک وہ نئی بات بنائی ہے کہ جس کو عقل باز و نہیں کرتی۔ اور ہر ایک کو واقعہ معراج جو حضور علیہ السلام سے سن گیا تھا۔ کچھ صحیح کچھ غلط بیان کرتا۔ بعض اس کی تائید کر جاتے اور بعض نے تردید کی اور اسی صورت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر گیا اور ان سے بھی وہی باتیں دہرا کر کہنے لگا کہ بھلا تم ہی بتاؤ۔ انسان سے یہ ممکن ہے کہ وہ لمحوں میں سیر افلاک جنت و دوزخ، سدرہ و عرش کر کے اتنی جلدی واپس آئے کہ بستر گرم اور دروازہ

Marfat.com

کی زنجیر ہل رہی ہو۔ تو عاشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے کہ کم بخت کوئی بات تو اپنے منہ سے تو بنا کر نہیں کہہ رہا۔ اس نے کہا ہرگز نہیں آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں بیٹھے ہیں چل کر معلوم کر لو تمہیں میرے بیان کی تصدیق ہو جائے گی کہ انہوں نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تو مجھے جا کر تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو حضور نے فرمایا ہے۔ صحیح ہے۔ ابوجہل وہاں سے کھسیانا ہو کر چلا آیا۔ صاحب سیر و اخبار لکھتے ہیں کہ معراج شریف کی واپسی پر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو سب سے پہلے کوئی اپنا غلام ملنا چاہئے تھا۔ جو حضور کی فوراً تصدیق کرتا۔ مگر قدرت الٰہی ابوجہل جیسا مخالف ترین شخص ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مولا کریم نے تجویز کر دیا کہ غلام تصدیق کر کے خدمت میں ہی حاضر رہے گا۔ اور میرے محبوب کی اس شانِ رفعت کو جو واقعہ معراج سے حاصل ہوئی ہے۔ لوگوں میں مشتہر کرنے کے لئے زیادہ کام کرنا پڑے گا کہاں ہر ایک سے فرماتے پھریں گے۔ کہ مجھے معراج ہوئی۔ ایک ایسے مردود سے خدمت لے لی جو اپنے عناد اور حسد کے جوش میں ہی اہل مکہ کو واقعہ معراج سننے کے لئے اکٹھا کر دے۔ اور میرے محبوب ایک ہی وقت میں سب لوگوں کے گوش گزار کر دیں۔ سبحان اللہ قدرتِ الٰہی جب اپنا کام لینا چاہتی ہے تو مخالفوں، مطابقوں، انسانوں، حیوانوں مٹی کے ڈھیلوں اور پتھر کے کوئلوں سے بھی لے لیتی ہے اور وہ بہترین انتقام کی مالک ہے۔ ابوجہل کی عقل پر جہالت اور گمراہی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس وجہ سے یہ واقعہ معراج اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس کی کوتاہ بینی اور کور باطنی نے انکار کی صورت اختیار کر لی۔ برخلاف اس کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عقل نور ایمان سے روشن اور منور تھی۔ انہوں نے سنتے ہی اس کی تصدیق کی۔ پس جو اشخاص اب بھی ابوجہل مردود کی طرح نافہم اور کور باطن ہیں وہ متبع ابوجہل بن کر انکار کر جاتے ہیں۔ اور جو تابع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور ایمان روشن رکھتے ہیں۔ وہ آج بھی بغیر تصدیق صداقت نہیں رہ سکتے۔

Marfat.com

زمانہ حاضرہ کے بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ درحقیقت یہ معراج نبوی ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ جو بیداری کے معنوں میں آ جانا حقیقتاً ہوسکتا ہے۔ اور ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک ملکی جسم کے ساتھ حسب استعداد نفسِ ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کرسکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس ناطقہ کی استعداد نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اس لئے وہ اپنی سیر و معراج میں عرشِ اعظم تک پہنچ گئے۔ دراصل یہ سیر انکشافی تھا۔ جو ایک حد تک بیداری کے مشابہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس کو ایک قسم کی بیداری سمجھنا چاہئے اس کا نام خواب نہیں رکھا جاسکتا۔ مگر یہ سیر اس جسم کثیف کے ساتھ بھی ہرگز نہ تھا۔ یہی تحقیق چودہویں صدی کے ایک نامور محقق اور قابل مورخ علامہ شبلی نعمانی مصنف سیرت النبی کی ہے۔ اور اسی طرح بہت سے دیگر اہل تحقیق نے بھی صحت عقائد سے دور رہ کر وہ صریح ٹھوکریں کھائی ہیں کہ جن کی حد نہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی معراج چونتیس ۳۴ ہوئے جن کا ذکر ہم نے اسی کتاب کے کسی دوسرے مقام پر کیا ہے۔ اور ان چونتیس ۳۴ معراجوں پر کفار نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس معراج میں کوئی خاص بات تھی۔ جس پر حضور علیہ السلام کا دعویٰ سنتے ہی کفار مخالفت کرنے لگ گئے۔ اور اس دعویٰ کو حیطہ بشریت سے محال جان کر آپ کی تکذیب کے درپے ہو گئے۔ معلوم ہوا۔ کہ حضور خواب یا کسی اعلیٰ درجہ کے کشف کو ظاہر نہ فرما رہے تھے۔ ورنہ کافروں کو جھٹلانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیونکہ خواب میں ہر ایک انسان عجائبات دیکھ سکتا ہے۔ پھر ایسی حالت کس خصوصیت کی محتاج ہوتی ہے۔ اور اس کی عظمت و شان کیسی۔ قرآن کریم کا اس واقعہ کو نہایت اہتمام و خصوصیت کے ساتھ بیان کرنا۔ اور بطور معجزہ مخالفین کے سامنے لانا۔ حضور علیہ السلام کے سینہ کا چیرا جانا۔ آپ کا براق پر سوار ہونا۔ مسجد اقصیٰ میں اپنی نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ امامت انبیاء کرانا۔ سوالوں جوابوں کا ہونا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنا۔ سدرۃ المنتہیٰ میں دودھ کا پینا۔ پچاس نمازوں کے فرض ہونے پر موسیٰ علیہ السلام کی درخواست سے متواتر تخفیف کی گفتگو کرنا جنت و دوزخ کا ملاحظہ فرمانا۔ صبح مکہ

Marfat.com

میں کرنا۔ اور اس واقعہ کے اظہار و بیان میں تامل و تردد سے کام لینا۔ پھر قریش کا تمسخر اڑانا۔ اور انکار و تعجب کرنا۔ بقول راویوں کے بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں کا اس واقعہ کو سن کر مرتد ہو جانا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ کی تصدیق پر صدیق کا لقب پانا، متعدد قافلوں کے افراد کا راستہ میں حضور سے ملاقات کا بیان کرنا۔ بعض اہلِ قافلہ کی سواریوں سے آپ کے براق کا بھڑ نا۔ اور کسی کا گر کر بازو ٹوٹنا۔ تمام صحابہ سلف و خلف کا معراج جسمانی پر اجماع ہونا۔ یہ سب امور جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج شریف جسم و روح دونوں کے ساتھ تھا۔ اور عالم بیداری میں ہوا تھا۔ کیونکہ خواب کفار کے حق میں جب تک وارد نہ ہو۔ بطریقِ معجزہ نہیں ہوا کرتا۔ اور نہ شقِ صدر جسمانی، روحانی و انکشافی معراج کے لئے ضروری ہے۔ نہ روحانی وانکشافی پرواز محتاجِ براق تھی۔ اور نہ نمازوں کی فرضیت کوئی خوابی فعل تھا۔ پھر ایسے اہم واقعہ کو جس کے ایک ایک جزو کا تعلق جسمانیت کا مقتضی ہے۔ بلا وجہ محض موجودہ سائنس وعلوم سے مرعوب ہو کر بیجا تاویلات سے کام لینا اور الفاظ قرآنی کو اصل مفہوم سے بلا دلیل شرعی ظاہر سے پھیرنا ایک مومن کی شان سے بعید اور انتہائی درجہ کی ڈھٹائی ہے۔ اگر عقائد حقہ کی تعبیر و تفسیر میں یونہی بیجا اور دور از کار تاویلوں سے کام لیا جائے۔ تو سمجھا جا سکتا ہے کہ اسلامی عقائد سے کوئی سا عقیدہ بھی ایسا نہ ہوگا۔ جو روحانیت سے متعلق نہ کیا جا سکے۔ اور ان تاویلات باطلہ و وہمیہ کا شکار نہ ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔

وکان ھذہ الا سراء بجسمہ الشریف ولو کان الاسراء بروحہ صلی اللہ علیہ وسلم ویکون رویا راھا یرے النائم فی نومہ ما انکرہ احد من قریش ولا نازعۃ فیہ و انما انکروا علیہ کونہ اعلمھم ان الاسراء کان بجسمہ الشریف فی تلک المواطن التی دخلھا کلھا۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسم شریف کے ساتھ ہوا ہے۔ اگر روح کے

Marfat.com

ساتھ خواب یا نیند میں ہوتا تو کفار اس سے انکار نہ کرتے اور نہ جھگڑا کرتے۔ یہ جھگڑا محض اس لئے کیا تھا۔ کہ حضور علیہ السلام نے ان کو معراج جسمانی کی خبر دی تھی۔ اور ان مقامات کی خبر دی تھی۔ جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے تھے۔

لہٰذا ہر پاکیزہ سرشت انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی عقل نارسا پر بھروسہ کر کے اسرارِ غیب اور دقائق ملکوت کی نسبت ملحدانہ انکار نہ کرے۔ بلکہ نبوت کے انوار سے مستفید ہو کر الٰہیات کی کنہ تک پہنچے۔ بعض کج فہم خود بخود مجتہد بن کر خدائے غالب کی لاتعداد حکمتوں کو اپنے عقل کے دو انچی گز سے ناپنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے فہم و فراست کی یہ بساط رکھتے ہیں کہ ان کو اپنے وجود ہی کا علم نہیں۔ مشاہدہ بتا رہا ہے کہ آگ مٹی پانی ہوا وغیرہ جو ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں۔ انہی کے بارے میں دنیا کے عقلا اور فلاسفروں کا اتفاق نہیں۔ جو دلیل ایک قائم کرتا ہے اور دوسرا اس کی تردید کر دیتا ہے۔ پس ملکوتی دقائق اور الٰہیات کے متعلق کسی یاوہ گو اور پابند عقلِ سفلی کا کوئی لچر اعتراض کہاں تک قابلِ سماعت اور لائق اعتنا ہو سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اسرائے بیت المقدس اور ہے اور معراج سماوی اور ہے یعنی معراج سماوی غیر شبِ اسرائے کے تھی۔ اور سیر بیت المقدس جو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ حالت بیداری و جسمانی میں ہوئی۔ مگر معراج سماوی روحانی صورت میں۔ کیونکہ بعض احادیث سے معراج سماوی میں سواری براق کا تذکرہ نہیں بلکہ یہ اسرائے بیت المقدس میں ہے۔ اس کے علاوہ بعض اہلِ عقل نے تو ایک نئی تنقیح اور نکالی ہے کہ اسرائے بیت المقدس جسم مطہر کے ساتھ بیداری میں ہوا اور اس سے آگے صعود الی السماء انکشافِ روحانی تھا۔ لیکن یہ ایک ہی سفر ہے۔ وقوع کے لحاظ سے دو جدا جدا امر نہیں ہیں۔

اس کے متعلق گرفتارانِ عقل کو جو چیز ایسی تنقیحوں پر مجبور کر رہی ہے۔ وہ صرف حضور علیہ السلام کا جسم اطہر کے ساتھ صعود الی السماء ہے۔ جس کی مرغومہ نسبتِ کثافت ان کو آگے قدم نہیں رکھنے دیتی۔ کاش کہ وہ حضور علیہ السلام کی جسمانیت کو سمجھ سکتے اور اس مخمصہ

Marfat.com

میں نہ پڑتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن احادیث میں سواری براق کا تذکرہ معراج سماوی کی نسبت نہیں ہے وہ راویوں کی طرف سے بطریقِ اشتباہ یا اختصار بیان کی گئی ہیں۔ اور اسی پر محدثین متفق ہیں۔ جیسے کہ بعض احادیث میں حضور علیہ السلام کے سامنے شب معراج میں تین پیالوں۔ دودھ اور شراب اور شہد کا پیش کیا جانا بیان ہوا ہے۔ اور بعض میں صرف دودھ اور شہد یا دودھ اور شراب ہی کا ذکر ہے۔ اور بعض میں مقام انبیاء اور محل ملاقات میں ابراہیم علیہ السلام کا چھٹے آسمان میں ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور بعض میں بیت المعمور کے ساتھ تکیہ لگائے ہوئے ساتویں آسمان میں مذکور ہوا ہے تو یہ بہ سبب اشتباہ راویوں کے ہے نہ کہ اختلاف وقوع ہیں۔ جمہور محققین کا مذہب یہ ہے کہ یہ واقعہ معراج بیداری میں حالت بدنی کے ساتھ ایک ہی بار ظہور میں آیا ہے۔ علیحدہ علیحدہ دو واقعات روحانی اور جسمانی نہیں ہیں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اسرائے بیت المقدس جسمانی بحالت بیداری اور معراج سماوی کشفِ روحانی تھی۔ تو اس کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ تاکہ معترضین اصحاب کو یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ جس مالک الملک اور قادر و توانا کی ذات اور قدرت بیت الحرام سے بیت المقدس جیسا طویل سفر رات کے بعض حصہ میں اپنے محبوب کو یا جسم مطہر کرا سکتی ہے۔ وہ اس سے آگے بھی اس طرح قادر ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کو (جو انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھنے پر باوجود اس کے کہ بدن ان کے قبروں میں ہیں لازم آیا ہے) لکھ کر جواب دیا ہے کہ ارواحیں ان کی بدنوں کی صورتوں میں متشکل ہوئیں تھیں یا ان کے بدن بمعہ ارواح حضرت کی ملاقات کو حاضر ہوئے تھے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد چلنا۔ پھرنا احادیث سے ثابت ہے۔ اور وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمایا ہے کہ ان کے بدنوں کو کھائے۔ اور بدن ان کے ارواحوں کی مانند لطیف ہیں۔ پس ان کے ظہور کے لئے عالم ملک و ملکوت میں بوجہ کمال قدرت ذوالجلال کوئی بھی ایسا امر مانع نہیں ہے۔ جیسے قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر

Marfat.com

عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کو حضور علیہ السلام کی اقتداء کے لئے جمع فرما دیا۔ اور سات جماعتیں حضور کے پیچھے تھیں یہاں یہ امر بھی خاص طور پر قابلِ یادداشت ہے۔ کہ بیت المقدس میں امامت انبیاء علیہم السلام کے لئے حضور علیہ السلام کو امام بنایا جانا باجسم عنصری تھا۔ کیونکہ نماز محض ارواح پر نہ تھی۔ اور نہ ارواح ازروئے شرع شریف مکلّف بہ نماز ہوسکتی ہیں پھر اس کے ساتھ یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام جسمانی کی اقتداء میں محض ارواح کا حاضر ہونا جماعت شرعی اور امامت شرعی کے منشاء کو پورا نہیں کرتا۔ تو اشکال یہ پیدا ہوگا کہ حضور علیہ السلام اگر باجسدِ عنصری امام الانبیاء ہوئے تھے تو تمام انبیاء علیہم السلام بھی با اجسام مقتدی بنے ہوں گے۔ جس کا اصولِ شرع بھی مقتضی ہوسکتا ہے۔ اور اگر حضور کی امامت بہ روحانیت محضہ تھی۔ تو پھر بھی عیسیٰ اور ادریس علیہما السلام نے اقتداء نہ کی ہوگی کیونکہ وہ دونوں بہ اعتقاد جمہور اہل سنت والجماعت باجسد عنصری آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں۔ اور روح کی امامت میں جسمانیت کے ساتھ اقتداء شرعاً صحیح اور قابل قبول نہیں۔ اور نہ ایسا ہو سکتا ہے تو اس اشکال کا حل بہرحال یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام کی امامت باجسمِ مطہر ہی تسلیم کی جائے اور عیسیٰ و ادریس علیہما السلام کے ساتھ ساتھ باقی تمام انبیاء کی حاضری بھی با اجسام لطیفہ مانی جائے پھر ازروئے شرع شریف بیت المقدس کی نماز کوئی نماز اور اس کی امامت و اقتدا من حیثیت الامامتہ والا اقتداء ہوسکتی ہے۔ ورنہ جن حضرات کے نزدیک یہ امامت و اقتداء روحانی تھی ان کے پاس عیسیٰ و ادریس علیہما السلام کی شمولیت کا کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ حدیثوں میں تمام انبیاء علیہم السلام کی شمولیت فرمائی گئی ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ لطافت اجسام کے لحاظ سے ان کی لئے کوئی بھی ایسا امر مانع نہیں چنانچہ مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے کہ ابن عباس نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جنگل میں گزرے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا جنگل ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ وادی الازرق ہے حضور نے فرمایا۔ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا ہوں اور ان کے رنگ اور بالوں کا حال بیان فرما کر کہا کہ موسیٰ دونوں کانوں

Marfat.com

میں انگلیاں رکھے ہوئے (جس طرح اذان میں ہوتا ہے) اور ساتھ لبیک کی بلند آواز کیے گزرے چلے جاتے ہیں۔ پھر ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ اسی جنگل میں آگے چلے تو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کونسا پہاڑ اور کونسی گھاٹی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یہ پہاڑ ہرشا یا لفت ہے۔ آپ نے فرمایا گویا میں دیکھتا ہوں یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر سوار جس کی مہار پوست خرما کی ہے۔ پشمینہ کا جبہ پہنے ہوئے حج کیلئے لبیک کہتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ صاحبِ مواہب نے دو تین معنے اس کے بیان فرما کر ایک یہ بھی اختیار فرمائے ہیں کہ حضور کا وہ دیکھنا حقیقی تھا۔ کیونکہ انبیاء اپنے پروردگار کی نزدیکی میں زندہ ہیں۔ ان کو روزی دی جاتی ہے پھر کچھ مشکل نہیں کہ وہ اس حالت میں حج کریں۔ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''چون اتفاق است برحیات انبیاء علیہم السلام بحیاتِ حقیقی دنیاوی لیکن محجوب انداز نظر عوام۔ پس بحقیقت نمود ایشاں راعجیب خود صلی اللہ علیہ وسلم بے منام و بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال۔'' مشکوٰۃ کے باب المعراج میں ایک حدیث آئی ہے۔ جس میں بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے آسمان پر حضرت آدم۔ دوسرے پر حضرت یحییٰ اور عیسیٰ تیسرے پر حضرت یوسف، چوتھے میں حضرت ادریس، پانچویں میں حضرت ہارون، چھٹے میں حضرت موسیٰ، ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہم السلام ملے۔ تو اس سے معلوم کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر تشریف لے جانے سے قبل یہی تمام انبیاء بیت المقدس میں ملاقی ہوئے تھے اور نماز نافلہ حضرت کی اقتداء میں ادا فرمائی تھی اور پھر وہی انبیاء آسمانوں پر ملے تو ان میں یہ طاقت کیونکر ہوئی کہ حضور سے بیت المقدس میں بھی ملاقات فرمائیں۔ اور حضور سے قبل اپنے اپنے مقامات سماویہ پر بھی حضور کے استقبال کو موجود ہوں۔ اور اگر کہا جائے کہ یہ صرف ارواح انبیاء اقتداء میں حاضر ہوئیں تھیں اور ارواح میں یہ سرعت وصعود ممکن ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ عیسیٰ اور ادریس علیہما السلام کی تو روحیں نہ تھیں۔ کیونکہ بہ اعتقاد جمہور اہل اسلام یہ دونوں حضرات باجسم ظاہری آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں۔ یہاں کونسی تاویل عمل

Marfat.com

میں آئے گی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تو واقعہ معراج میں تین مرتبہ تین مقامات میں موجودگی کا آیا ہے۔ ان کی کیا تقسیم ہوگی۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میں نے موسیٰ کو دیکھا اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر انہوں نے بیت المقدس میں حضور کے پیچھے بھی اقتداء کی۔ پھر چھٹے آسمان پر بھی ملے۔ چنانچہ یہ تینوں روائتیں صحیح مسلم میں موجود ہیں زرقانی نے موضع حیات فی القبر میں اس تعارض کو یوں اٹھایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کھانے پینے تک کے لئے فراغت کے مقامات ہیں۔ جہاں چاہیں جائیں پھر لوٹ آئیں۔ بلکہ ایک حدیث میں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا (جو شہداء سے ہیں) بعد شہادت کے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضور علیہ السلام سے السلام علیکم کہنا اور حضور علیہ السلام کا جواب میں وعلیکم السلام فرمانا بھی آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی ہستی تو وراء الوراء ہے۔ ان کے شہدائے امت قرآن کی رو سے کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ پھر خیال کا مقام ہے۔ کہ بیت المقدس کی ادائے نماز کے بعد انبیاء علیہم السلام کی کس قدر حرکت ہوئی کہ ہر آسمان پانچ سو برس کے راہ کی موٹائی پر ہے۔ اور زمین سے آسمان تک اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کا رستہ ہے۔ پس اس تحقیق کے مطابق ذرا سے عرصہ میں آدم علیہ السلام ایک ہزار برس کا رستہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام دو ہزار برس کا رستہ علیٰ ہذا القیاس موسیٰ علیہ السلام چھ ہزار برس کا رستہ۔ اور ابراہیم علیہ السلام سات ہزار برس کا رستہ طے فرما جاتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام کے لئے جب رب العزت جلشانہٗ، دعوت دینے اور سیر کرانے والے ہوں تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے افسوس کہ ہم چومائیوں اور مثلیوں کا گروہ حضور علیہ السلام کے جسم مطہر کو ہی نہیں سمجھ سکا۔ خاتم المحدثین علامہ زرقانی شرح مواہب اللدینہ میں فرماتے ہیں کہ یہ بات کوئی ممتنع نہیں ہے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم متشکل بجد و روح نظر آئیں کہ آپ کو اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو بعد وفات ان کی ارواح پھر ان کو مل گئیں اور اجازت ہوگئی کہ اپنی قبور سے نکل کر عالم بالا اور عالم ماتحت میں تصرف کریں۔ اس مختصر بحث کے علاوہ بیشمار ایسے دلائل ہیں۔ جن کو اگر

Marfat.com

یہاں بیان کیا جائے تو علیحدہ کتاب تیار ہو جائے۔ یہاں پر پہلے آیت معراج میں جو لفظ عبد واقع ہوا ہے۔ اس کو مختصراً سمجھ لیا جائے (جس کی توضیح ہم اس کتاب کے کسی دوسرے باب میں بھی کر آئے ہیں) اس لفظ سے باقتضاء النص ثابت ہوتا ہے کہ یہ سیر جسمانی تھی۔ کیونکہ عبد مجموعہ روح وجد کو کہا جاتا ہے نہ کہ اس کا اطلاق صرف روح پر صحیح ہو۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد روح مع الجسد ہی ہے بطور تفہیم چند آیات ملاحظہ ہوں۔ نزول قرآن کریم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے نَزَّلْنَا عَلٰے عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِه ط یعنی قرآن کریم کو نازل کیا ہم نے اوپر بندے اپنے کے۔ پس مثل اس کی کوئی سورت لے آؤ۔ کیا یہاں عبد سے مراد صرف روح ہے یا روح مع الجسد ہے۔ ایک معمولی ادراک کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کریم کا نزول محض روح پر نہیں ہوا۔ اور یہاں عبد سے روح مع الجسم ہی مراد لیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يَنْهٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰے ط کیا تو نے اسکو یعنی ابوجہل کو دیکھا ہے۔ جو بندہ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ اس آیت سے بھی مراد روح مع الجسد ہے کیونکہ ابوجہل صرف نمازی کی روح کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتا تھا۔

تیسری آیت میں ہے۔ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا۔ (یعنی جب اللہ کا بندہ (محمد) نماز پڑھنے کو کھڑا ہوا۔ تو قرآن سننے کو جن اس پر ٹوٹ پڑتے تھے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کے لئے صرف آپ کی روح نہیں کھڑی ہوتی تھی۔ بلکہ مع الجسد نماز پڑھا کرتے تھے۔ جنوں کا اجتماع صرف روح پر نہیں تھا۔

چوتھی آیت میں حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کا جہاں قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے۔ وہاں ان کی نسبت حکم دیتا ہے کہ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ ○ یعنی وہ دونوں عورتیں دو نیک بندوں ہمارے کے گھر میں تھیں۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی عورت کا کسی عبد کے گھر میں ہونا۔ روح مع الجسم کو ثابت کرتا ہے۔ ورنہ کسی عورت کو کسی روح محض سے متعلق بہ علاقہ زوجیت نہیں سمجھا جاتا۔

Marfat.com

اور نہ اس کے خلاف کوئی علمی یا عملی دلیل نہے۔ جہاں خاوند محض روح ہو اور اس کی عورت بہ علاقہ زوجیت متعلقہ روح مع الجسم ہو۔ قرآن کریم نے جہاں کہیں لفظ عبد سے کسی ہستی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہاں روح مع الجسد ہی مراد لیا ہے۔

پانچویں۔ آیت میں ہے۔ ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝ اس آیت میں بھی مراد روح مع الجسد ہی ہے۔ غرض اس قسم کی قرآن کریم میں بے شمار مثالیں اور بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ جن میں عبد سے مراد روح مع الجسد ہے۔ پس اس سیر کو روحانی قرار دینا۔ یا انکشافی کہنا کسی طرح بھی قرآن کی منشاء کے مطابق نہیں۔ علامہ شبلی نے تمام قرآن و حدیث سے عبد کے مفہوم کو روحانی عبد بلا جسم مراد لیتے ہیں بڑا زور لگایا ہے اور دلیل تلاش کی تو ایک آیت پیش کر سکے۔ وہ بھی جس کا ظہور خطاب اس مطلب کو پورا نہیں کرتا۔ بلکہ اسکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ نفس مطمئنہ کو خطاب ہو رہا ہے اور مقبولان بارگاہ کے ساتھ ہونے کا ارشاد ہوتا ہے۔ نفس مطمئنہ کو عبد کے لفظ سے مخاطب نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ عبادی کا لفظ اس جماعت پر بولا گیا ہے۔ جو اپنے اعمال صالحہ کے باعث دنیوی زندگی میں روح مع الجسد رکھتے ہوئے پاکیزہ نفوس کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں ممتاز تھے۔ اور اس کے بعد نیک انجام ہونے کے باعث اہل جنت فرمائے گئے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ عبادی سے مراد عباد بلا جسد ہوں۔ نفس مطمینہ، لوامہ، ملہمہ، امارہ اور ہے۔ اور عبد اور چیز ہے نفس مطمئنہ عبد نہیں ہو سکتا۔ اسی مفہوم کے ماتحت ابن جریر نے کہا۔ کہ مراد فادخلی فی عبادی ٥ سے یہ ہے کہ اپنے جسم کی طرف لوٹ جائے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ نفس مطمئنہ اور ہے۔ اور مراد بعبادی۔ عباد مجسم یا اجسام عباد اور ہیں۔ ابن عباس سے بھی ایک روایت آئی ہے۔ جس کو محققین نے اسی آیت کے تحت میں یوں بیان کیا ہے کہ قیامت کے روز ارواح اپنے اجسام میں واپس کی جاویں گی اور جو ثواب جمیل ہوگا۔ اس سے راضی وخوش ہوں گے اور اپنی طہارت وعبودیت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرضیہ ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی مراد یہ ہے کہ نفس مطمئنہ کو بعثت قیامت کے وقت یہ

Marfat.com

بشارت دی جاوے گی کہ اپنے جسم میں جا کر ثواب جمیل حاصل کرے۔عونی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نفوس مطمئنہ سے قیامت کے روز کہا جاوے گا کہ اے (گروہ) نفوس مطمئنہ اپنے رب یعنی ساتھی کی طرف رجوع کرو۔ اور وہ بدن ہے۔ جس میں دنیا میں رہتی تھی تا کہ تجھے ایسا ثواب مل جاوے۔ جس سے تو راضی ہو۔ اور اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہو جاوے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ''فادخلی فی عبدی'' بھی آیا ہے۔ یعنی عبد وہ جسم جس میں پہلے رہتی تھی۔ یہی عکرمہ نے بیان کیا اور یہی کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال فرمایا تو ایک خوبصورت چڑیا آ کر ان کی نعش میں داخل ہوئی۔ پھر وہاں سے نکلتے کسی نے اس کو نہ دیکھا پھر جب ابن عباس دفن کئے گئے تو قبر کے کنارے پر کسی نے یہ آیت پڑھی۔ ''یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الایۃ'' اور اس آیت کا تلاوت کرنے والا کوئی نظر نہ آیا۔ بعض نے خیال کیا کہ وہی نفس مطمئنہ تھی۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ مطمئنہ سے عباد مراد لینا درست نہیں۔ اب اصل بحث کو لیجئے کہ نقلی روایات کا مفہوم کیا ہے۔ ہمارے محققین اہل سنت والجماعت کی رائے ہے کہ جن تین بزرگوں کے ارشادات معراج روحانی کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ ان بزرگوں پر افتراء محض ہے۔ اکابر محدثین نے اول تو ان کو نقل ہی نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جن مسائل کا اختلاف تھا۔ وہ اظہر من الشمس ہیں۔ اور اگر مسئلہ معراج میں بھی اختلاف ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ کتبِ احادیث میں نہ پایا جاتا جبکہ صحابہ کرام کے مناظرہ کی دیگر اختلافات میں تفاصیل موجود ہیں۔ یہاں پر رفع شکوک کے لئے ہم ان تینوں بزرگوں کے ارشادات کی بھی توضیح کئے دیتے ہیں۔ جن کو بطور دلائل منکرین معراج جسمانی پیش کرتے ہیں۔ تا کہ متلاشی حق پر اصلیت کا انکشاف ہو جائے۔ الغرض نقلی روایات کی بنا پر جو لوگ معراج کو روحانی قرار دیتے ہیں۔ اور جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔ وہ اپنے دعویٰ کی تائید میں

Marfat.com

صحابہ سے صرف تین بزرگوں کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ حضرت سیّدنا حذیفہ وام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور امیر المومنین حضرت معاویہ ابن ابی سفیان اور انہی کو علامہ محمد بن جریر طبری نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ معراج کے تمام واقعات خواب تھے۔ حضور علیہ السلام کا جسد اطہر اپنی آرام گاہ سے جدا نہ ہوا تھا۔ صرف آپ کی روح کو ہی سیر کرائی گئی اور اس کے قریب حضرت حذیفہ و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے بیانات ہیں۔ مگر معترضین اپنے اعتراضات اور روایات پیش کردہ کی اصلیت پر غور نہیں کرتے کہ یہ دلائل دعویٰ میں کہاں تک تقویت رکھتے ہیں۔ ہم ان ہی دلائل کی رو سے یہ ثابت کر دیں گے کہ معراج مبارک روحانی نہیں بلکہ جسمانی تھی۔

(۱) ترمذی شریف میں جو حدیث آئی ہے۔ اس میں سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں براق کو بیت المقدس کے حلقہ سے باندھا تھا۔ ان کا قول غلط ہے۔ کیا براق آپ کا مطیع نہ تھا۔ جو آپ کو اس کے باندھنے کی ضرورت پڑی اس کو تو اللہ کریم نے آپ کا مسخر فرما دیا تھا۔ پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے صاف عیاں ہے کہ ان کو جمہور سے تمام مسئلہ معراج میں نہیں بلکہ صرف براق کے پتھر سے باندھنے یا نہ باندھنے میں اختلاف تھا۔ شاید منکرین نے ان ہی الفاظ سے اپنے انکار کو تقویت پہنچانی چاہی ہو۔ حالانکہ یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہادی قول ہے۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سنا ہے۔ برخلاف اس کے کہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم معراج جسمانی کے قائل ہیں۔ اور احادیث معراج کو روایت کرتے ہیں۔ نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ واقع معراج کے بعد اسلام لائے ہیں۔ تو ان کے قول سے سابق الاسلام صحابہ کرام کی احادیث کا معارضہ کیونکر ہو سکتا ہے جو معراج جسمانی کے قائل ہیں۔

(۲) واقعہ معراج ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اور اس وقت مسلمانوں کی اس قدر کثرت نہ

Marfat.com

تھی۔ بلکہ تھوڑی تعداد میں موجود تھے۔خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ جن کا قول منکرین معراج جسمانی اپنے دلائل میں پیش کرتے ہیں۔ان کا اسلام لانا بعد ہجرت مدینہ منورہ میں ہوا۔اور معراجِ جسمانی قبلِ ہجرت ایک سال مکہ میں ہو چکی تھی۔ان کی وہ روایت جو ابن جریر نے تفسیر اسراء سیرت ابن اسحاق ذکر معراج میں لکھی ہے۔اور جس کی بناء پر حضور کی معراج کو روحانی یا رویائے صادقہ کہا جاتا ہے۔مع سند کے حسب ذیل ہے۔

عن محمد بن اسحاق قال حدثني يعقوب بن عتبه بن المغيرة ان معاوية بن ابی سفیان کان اذاسئل عن مسری رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کانت رویا من اللّٰه صادقه.

ترجمہ: محمد ابن اسحاق سے روایت ہے۔انہوں نے کہا کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا۔تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔

حالانکہ یہ روایت محدثین کے نزدیک متفقہ طور پر منقطع ہے۔ کیونکہ یعقوب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خود نہیں سنا ہے۔اور نہ ہی انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے۔کیا ایسی روائتیں معراج جسمانی کی تردید میں لا کر معراج روحانی ثابت کرنا۔اور رویائے صادقہ کا قائل ہونا ایک محقق کی شان کے شایاں ہے۔

(۳) روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بعض محققین نے تو سرے سے انکار ہی کیا ہے کہ یہ قابلِ قبول نہیں اور جنہوں نے روایت معراج کو حضرت صدیقہ سے لیا بھی ہے۔انہوں نے یہ لکھا ہے کہ آپ معراج جسمانی کی قائل تھیں۔اور بعض نے لکھا کہ وہ حدیث اس معراج جسمانی کے متعلق نہیں بلکہ اسی معراج کے متعلق ہے جو عالمِ رویا میں حضور علیہ السلام کو مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ جیسا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔بغوی نے روایت کی

Marfat.com

ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہوا کہ جس رات مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ اس کی صبح کو میں مکہ میں تھا۔ مجھے اس خیال سے کہ لوگ جھٹلائیں گے۔ سخت رنج تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ غمگین ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ ابوجہل آپ کے پاس سے گزرا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ اور مسخری سے پوچھنے لگا فرمایئے کوئی نئی بات آپ نے حاصل کی یا نہیں آپ نے فرمایا ہاں کی ہے۔ آج کی رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔ اس نے کہا کہاں تک۔ آپ نے فرمایا۔ بیت المقدس تک۔ اس نے کہا پھر صبح بھی آپ نے ہمارے درمیان کی آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا۔ کہ جو کچھ آپ نے مجھ سے بیان کیا ہے۔ کیا آپ اپنی قوم سے بھی بیان کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں کروں گا وہ بلند آواز سے بولا اے بنی کعب بن لوئی یہاں آؤ۔ یہ سنتے ہی تمام لوگ اس پر جمع ہو گئے۔

ابوجہل نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ جو کچھ آپ نے مجھ سے بیان فرمایا ہے۔ ان پر بھی واضح فرمایئے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا مجھے آج شب سیر کرائی گئی ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ کہاں تک۔ آپ نے فرمایا۔ بیت المقدس تک۔ وہ کہنے لگے تو پھر صبح آپ نے ہم میں کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ تو لوگ سن کر تالیاں بجانے لگے۔ اور بعض نے تعجب سے اپنے ہاتھ سر پر رکھ لئے اور بعض ان لوگوں سے جو آپ پر ایمان لا چکے تھے پھر گئے۔ ابوجہل یا کوئی دوسرا شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑا گیا اور کہا کہ کچھ تو نے اپنے دوست کی بھی سنی وہ کہتا ہے۔ آج کی رات مجھے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے۔ کیا واقعی آپ نے فرمایا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ نے فرمایا ہے۔ تو آپ سچ فرماتے ہیں۔ ابوجہل نے کہا۔ کیا تو ایسی خارج العقل بات کو بھی تصدیق کرتا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ میں اس سے بھی زیادہ خارج العقل بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ کہ آپ کو بیت المقدس سے آگے آسمانی

Marfat.com

سیر بھی ہوئی ہے۔ اس حدیث سے تین باتوں کی وضاحت ہوتی ہے اول یہ کہ معراج کے متعلق حضرت عائشہ اور جمہور کے اقوال میں کوئی اختلاف نہیں دوسرے یہ کہ ابو جہل اور دیگر قریش نے واقعہ معراج پر یہ استبعاد ظاہر کیا کہ رات کو بیت المقدس جانا اور صبح مکہ میں کرنا۔ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے تیسرے یہ کہ واقعہ معراج کو سن کر بعض کمزور ایمان مسلمان مرتد ہو گئے تھے اور یہ سب باتیں اسی صورت میں ہوسکتی ہیں۔ جب کہ آپ کا دعویٰ معراج جسمانی کا ہو۔ خواب میں مکہ سے بیت المقدس جانا اور صبح مکہ میں موجود ہونا بی تو نبی رہے کسی کافر کے لئے بھی ناممکن نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کوئی عقلمند خواب سن کر اسلام کو چھوڑ سکتا تھا۔ اور نہ کفار کو کسی ایسی خواب کی تکذیب میں ہاتھ پاؤں مارنے کی ضرورت ہوسکتی تھی۔ بعض لوگوں کو معراج جسمانی میں جس حدیث حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے دھوکا ہوا ہے۔ وہ یہ ہے:

حدثناء ابن حمید قال حدثنا سلمة عن محمد قال حدثنی بعض ال ابی بکران عائشة کانت تقول مافقد جسد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولکن اسرا بروحہ اور ایک دوسری روایت میں ہے وعن معاویة مثلہ۔

ترجمہ: ابن حمید نے ہم سے بیان کیا۔ ان سے سلمہ نے۔ سلمہ سے محمد بن اسحٰق نے انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک گم نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ نے روح مبارک کے ساتھ عروج فرمایا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کی مانند روایت فرماتے ہیں۔ اس روایت سے بھی معراج جسمانی کا اختلاف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس روایت کے سلسلہ میں محمد بن اسحٰق اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی نامعلوم الاسم راوی ہے یعنی خاندان ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص جس کا نام ونشان ہی مذکور نہیں۔ اس لئے یہ بھی پایہ صحت سے فروتر ہے۔ نیز اس کا جواب اور بھی کئی طرح پر ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ شریف جلد ثانی باب الولی فصل اول

Marfat.com

میں ایک حدیث آئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقد سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سال کی عمر میں (معراج جسدی سے دو برس قبل) درایام ماہ شوال مکہ معظّمہ میں ہوا۔ اور جب آپ کی عمر مبارک نو برس تک پہنچی تو رخصتی ہوئی۔ یعنی نکاح کے دو برس بعد آپ رخصت ہو کر حضرت کے حرم سرائے میں تشریف لائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مہینہ میں آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کر حضور کے ہاں آئیں۔ وہی مہینہ معراج کا تھا۔ چونکہ تاریخ آمد حرم سرائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی صحیح مذکور نہیں۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ معراج سے کتنے دن قبل یا بعد تشریف لائیں۔ ہاں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بعد معراج تشریف لائیں۔ کیونکہ اگر آپ معراج سے پہلے تشریف لے آئی ہوتیں تو حضور معراج کی شب مکان ام ہانی میں استراحت نہ فرماتے جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ اور اگر آپ بعد میں تشریف لائی ہیں تو پھر معراج جسمانی کے انکار میں آپ کا کوئی ارشاد پیش کرنا یا کسی ایسے ارشاد کو آپ کی جانب منسوب ہی کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ہاں اگر حضور علیہ السلام سے نقل فرمایا ہوتا۔ تو حجت ہو سکتا تھا۔

یہ تو تھے اعتراضات نقلی جو اختلاف روایات کی بنا پر بعض اہل علم پیش کیا کرتے ہیں۔ الحمد للہ کہ ان کے جوابات شافی عرض کر دیئے گئے۔ اب ان فرسودہ دماغوں کی تحقیق کو لیجئے۔ جو فلسفی تاریکیوں میں گھرے ہوئے حقیقت بینی سے محروم ہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

گر نہ بیند بہ روز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

چونکہ ان لوگوں کی عقل نارسا اس حد تک پہنچنے میں کوتاہی کرتی ہے اس لئے وہ ایسے حقائق و دقائق غامضہ سے انکار ہی کر بیٹھتے ہیں۔ جن کی دید کسی ایمانی عینک کی محتاج ہوا کرتی ہے۔ مولا کریم ان کو بھی توفیق رفیق فرمائے کہ وہ اس حکمت الٰہیہ کو سمجھ سکیں۔ اور ان

Marfat.com

کی عقلیں مشعل ایمان سے اسرار و مدارج نبوت میں راہ حقیقت پالیں۔ فقیر ایسے لوگوں کی تفہیم کے لئے یہاں چند عام فہم مثالیں پیش کرتا ہے۔ مولا کریم اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں حق بات کے ثابت کرنے کو مجھے کامیابی عطا فرمائے۔ اور میرا ممدون معاون ہو۔

(۱) کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج شریف خلافِ عقل ہے۔ اور جسمِ کثیف کا صعود الی السماء محال ہے۔ جیسے مٹی کا ڈھیلا اوپر پھینکا جائے تو وہ اپنی اصل کثیف ہونے کے باعث زمین ہی کی جانب واپس آ جاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو صاحبِ عقل و ہوش کو یہی دلیل جو معراج شریف جسمانی کی تردید میں پیش کی گئی ہے۔ معراج شریف جسمانی کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ اس لئے کہ جو مٹی کا ڈھیلا پھینکا جاتا ہے۔ وہ اوپر کی طرف جاتا تو ضرور ہے۔ اور کبھی یہ نہیں ہوا کہ اوپر پھینکنے پر ڈھیلا کششِ ثقل کے باعث ہاتھ سے نکلتے ہی زمین پر گر جائے بلکہ بے روک ٹوک اوپر کو چلا جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ اوپر جا کر فوراً واپس آتا ہے۔ بہت دیر ٹھہرتا نہیں۔ تو ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ اگر حضور کے جسم اطہر کو چند منٹوں کے لیے معترض کے خیال پر کثیف ہی مان لیا جائے (حالانکہ وہ ہماری جانوں سے بھی زیادہ لطیف ہے) تو حضور وہاں کب ٹھہر کر رہ گئے۔ آپ تو اس قدر جلدی اتنا طویل سفر کر کے واپس تشریف لائے کہ زنجیر در حجرہ حرکت میں تھی اور بستر استراحت گرم تھا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
ایک دم میں سرِ عرش گئے آئے محمد

اب رہا ڈھیلے کا زیادہ بلند ہونا یا کم بلندی سے لوٹ آنا تو یہ پھینکنے والے کی طاقت پر منحصر ہے۔ مثلاً اگر آٹھ سال کا کم سن بچہ اس ڈھیلے کو بلندی پر پھینکے۔ تو بہ نسبت ایک نوجوان تنومند آدمی کے کم بلندی پر جائے گا۔ کیونکہ ایک جوان آدمی کے مقابلہ میں ایک آٹھ سالہ بچہ کم طاقت رکھتا ہے۔ یہی ڈھیلا اگر غلیل سے پھینکا جائے۔ ہاتھ سے

Marfat.com

پھینکنے کے مقابلہ میں زیادہ عروج پائے گا اسی کے مقابلہ میں ایک شخص نے بندوق سے گولی چلائی اور دوسرے نے توپ کا دہانہ آسمان کو کر کے گولہ پھینکا۔ تو ڈھیلے سے زیادہ بندوق کی گولی اور گولی سے توپ کا گولہ بہت آگے نکل جائے گا۔ اس لئے کہ غلیل سے بندوق اور بندوق سے توپ کی طاقت زیادہ ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یقیناً صحیح ہے۔ تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر قوی سے زیادہ طاقت رکھنے والا ہے اور تمام طاقتوں کا مالک ہے۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کو اتنی بلندی پر پہنچانا چاہے کہ عرشِ اعظم قدمبوسی کرے تو آپ کے ہی استدلال پیش کردہ کی طرح کب محال ہو سکتا ہے۔ اور جو کوئی اس کی شان میں بھی ان محالات کو دخل دے پھر اس کو ایماندار کیونکر کہیں۔ العیاذاً باللہ۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ جسمِ عنصری کا قلیل وقت میں بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ پہنچنا۔ آسمانوں پر اور آسمانوں سے آگے عرش تک جانا۔ باوجود جسمِ عنصری کے روحانیات محضہ سے ملنا، درخت و دوزخ کا دیکھنا عقلاً ممنوع ہے اور حکما نے اس کے محال ہونے پر اور آسمانوں کے خرق التیام کے محال ہونے پر دلائل قائم کئے ہیں۔ اور اہلِ ادیان حقہ سے عیسائی یہودی کوئی اس کا قائل نہیں۔

اس قولِ معترض کا جواب یہ ہے کہ ایسے جسمِ عنصری کا جس کی عنصریت اپنی لطافت کے لحاظ سے روحانیت سے بھی بڑھ کر ہو۔ ایسی حرکتِ سریع کرنا محالات سے نہیں۔ ایک عالم کا تجربہ شاہد ہے کہ ریل اور تار برقی کی حرکت اسی نوعیت سے ہے۔ جس کو کبھی بھی محال نہیں سمجھا گیا۔ اور اسی طرح آسمانوں کا خرق والتیام جن خیالات فاسدہ سے محال ثابت کیا جاتا ہے۔ ان کی حکماء اسلام نے اپنی تحقیق میں پوری قلعی کھول دی ہے اور یہ امر واضح تر کر دیا ہے کہ حکماء یونان نے محض اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ مسائل طبعیات وہئیت میں کوئی ٹھوس بات پیش نہیں کر سکے اناجیل و بائیبل کو ماننے والے پکے عیسائی آسمانوں کے خرق والتیام کو محالات سے نہیں مانتے۔ ہاں اگر کوئی ملحد

Marfat.com

عیسائی تسلیم نہ کرے۔ تو یہ اس کی ہٹ دھرمی اور کج فہمی ہے۔ دیکھئے انجیل مرقس کے سولھویں ۱۶ باب انیسویں درس میں ہے کہ مسیح خداوند لوگوں سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر چڑھ گیا۔ اور خدا تعالیٰ کے داہنے ہاتھ پر جا بیٹھا۔ یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان پر چلے گئے۔ اسی طرح دوسری کتاب السلاطین کے دوسرے باب میں مذکور ہے کہ ایلیا یعنی حضرت الیاس علیہ السلام اور الیسع باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک آگ کی گاڑی اور آگ کے گھوڑے نمودار ہوئے۔ اس میں چڑھ کر ایلیا آسمان پر چلا گیا۔ اور اسی طرح ایک شخص قیس ولیم اسمٹ اپنی کتاب طریق الاولیاء میں حضرت اخنوخ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا بیان کرتا ہے۔ اہل اسلام تو قاطبۃً اس پر متفق ہیں کہ

الف۔ مثلاً جرم آفتاب جو ایک سو چھیاسٹھ کرہ ارضی کے برابر ہے۔ ایک لمحہ میں کئی ہزار سالہ راہ طے کرتا ہے۔ اور اس کی سرعت و حرکت کو عند العقل بعید نہیں سمجھا جاتا تو سرعت رفتار آفتاب فلک رسالت (جس سے بے شمار جواہر مجردہ ملکی استفادہ حاصل کرتے ہیں) کو کیوں تعجب سے دیکھا جاتا ہے۔

ب۔ آفتابی شعائیں اور کرنیں اور ضوء قمری موٹے شفاف شیشہ سے دوسری طرف نکل جاتی ہیں جو ایک قسم کا وجود رکھتی ہیں۔ اور اس تیزی سے نفوذ کرتی ہیں کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ یعنی فی گھنٹہ بہتر ۷۲ کروڑ میل حرکت کر جاتی ہیں۔ پس ایسے ہی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ سراپا نور جسم جو شعاع آفتابی سے کئی ہزار گنا زیادہ حرکت ونفوذ رکھتا ہے۔ صاف وشفاف آسمانوں سے گزر جائے تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔

ج۔ ابلیسِ لعین کہ بدترین خلق ہے۔ لمحہ بھر میں مشرق ومغرب کی سیر کرے پھر اس کا ہر شرارت کے ساتھ الحاق بھی مان لیا جائے اور ایسے راندۂ درگاہ سے یہ سرعت ظہور میں آئے۔ تو اس بہترین کائنات سے آن کی آن میں زمین سے عرش تک طے کرنے میں کس شبہ کو گنجائش ہوسکتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آج معترض جیسے کثیف تر انسان خود تو مریخ وقمر میں کودنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اور نبوت کے لطیف تر اور نوری

Marfat.com

جسمِ مطہر کو معذور جانتے ہیں۔

د۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چرخِ چہارم پر قیام اور حضرت ادریس علیہ السلام کا سیر سماوات کر کے بہشت میں داخل ہونا جسم اور روح سمیت نص قطعی سے ثابت ہو۔ پھر سیّد الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ بمراتب ان سے رفیع الشان ہیں۔ کیا مانع ہوسکتا ہے کہ آسمان پر تشریف لے جانا اور لے آنا محالات سے تصور کیا جائے۔

ہ۔ چوبِ تر کہ بواسطہ رطوبت ذاتی ثقل رکھتی ہے۔ باز کے پاؤں میں باندھ دیتے ہیں کہ اس کی گرانی سے پرواز نہ کر سکے اور باز رہے۔ لیکن اگر وہ لکڑی گرمیِ آفتاب سے خشک ہو جائے۔ اور ثقل کہ لازمہ رطوبت ہے۔ اس سے زائل ہو تو پھر باز کا پرواز کرنا ممکن مانا جاتا ہے۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ شہباز اقصائے انا من نور اللّٰہ کے تھے اور آشیانہ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعلمین ۔ میں نزول فرمایا تھا۔ انما انا بشر مثلکم کی چوبِ گران قدمِ کرم میں رکھی گئی۔ تاکہ اس ثقلِ بشریت کے باعث امتِ گنہگار میں قرار فرمائیں۔ پھر جو تابشِ آفتابِ عنایت الٰہی سے اس وجود کا ثقل بشریت دور ہونے سے جسم و روح سمیت فوق العرش پرواز کریں کیا عجب ہے۔

و۔ تجربہ شاہد ہے کہ تماشہ کرنے والے بیضہ مرغ میں سوزن سے سوراخ کر کے بیضہ کی تمام آلائش اندرونی نکال کر شبنم بھر دیتے ہیں اور سوراخ کو موم سے بند کر کے دھوپ میں رکھتے ہیں۔ آفتاب کی تاب سے شبنم گرم ہو کر رکابِ ہوا پر قدم دھرتی ہوئی قصدِ عالمِ بالا کرتی ہے۔ اور بیضہ مرغ ہوا میں اڑنے لگتا ہے۔ پھر کیا یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ وجود باجود نورِ خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریح الم نشرح لك صدرك کے بعد طبائع بشریت اور اخلاطِ جسمیت کثیف سے پاک ہو کر اعانتِ کشاکشِ سبحان الذی اسریٰ سے پرواز کرے تو غیر ممکن کس طرح ہوسکتا ہے۔

ز۔ پارہ ہی کو لیجئے۔ اور پٹرول پر ہی غور کیجئے جن کی اصل زمینِ کثیف سے ہے۔ اور یہ

Marfat.com

دونوں چیزیں کثیف ہی ہوئیں۔ کیونکہ جس کی اصل کثیف ہوگی وہ چیز بھی کثیف ہی ہوگی۔ لطیف نہیں ہوسکتی۔ مگر پارہ اور پٹرول کو دیکھو۔ جب ذرا سی گرمی پہنچی۔ فوراً آسمان کو اڑ گئے۔ تو جاننا چاہئے کہ کثیف لطیف کی طرف کیونکر گیا۔ جو حضور علیہ السلام مع الجسد آسمان پر نہیں جاسکتے۔

ح۔ شریعت کا قاعدہ ہے کہ دو چیزیں جو غالب و مغلوب باہم ملی ہوں۔ حکم غلبہ کے باعث غالب کو ہوتا ہے، مثلاً دودھ اور پانی ملا کر کسی بچے کو پلائیں۔ اگر دودھ غالب ہو تو حکم رضاع ثابت ہے۔ ورنہ نہیں۔ ایسے ہی اگر آبِ دہن خون آلود نکلے تو حکم غالب پر ہے۔ اگر خون غالب ہے تو ناقضِ وضو ہے وگرنہ وضو رہے گا۔ یہی صورت نقود میں ہو گی۔ اگر نقرہ غالب ہے حکم جید کا دیا جائے گا۔ اگر غش یعنی کھوٹ غالب ہے حکم کھوٹے کا ہوگا۔ اس نہج کے بیشمار مسائل شریعت میں پائے جاتے ہیں تو اسی پر قیاس کیجئے کہ جب روحِ پُرفتوح محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جسد پر غالب ہوئی تو جسد اطہر حکم روح کا پیدا فرما کر فضائے عالم ملکوت پر پرواز کناں ہوا۔ پھر کیا جائے تعجب ہے۔

ط۔ عصر حاضر میں سینکڑوں ہوائی جہاز باوجود کثیف الاصل ہونے کے پرواز میں ایک دوسرے پر ترقی کرتے ہیں۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ خود ہی پرواز نہیں کرتے بلکہ بہت سے انسان جو اپنے اندر کثافت کثیرہ رکھتے ہیں۔ ان میں بھرے ہوتے ہیں۔ جب اللہ کی مخلوق کی یہ صنعت و طاقت ہے اور ایسی اشیاء کا باوجود کثیف در کثیف ہونے کے لطیف کی جانب عروج کرنا ناممکن نہیں تو پھر نور مجسم جو الطف عن الھوا ہو۔ براق پر چشم زدن میں سیر افلاک کرے کیونکر قابل انکار ہوسکتا ہے۔

ی۔ ایک روایت صحاح میں ہے کہ بندے کے بدن سے جب روح نکلتی ہے۔ تو بعض ارواح طرفۃ العین میں آسمانوں کو طے کر کے ساقِ عرش پر قندیل میں متمکن ہو جاتی ہیں۔ تو جسمِ لطیف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جس کو کثیف کہنا بھی گناہِ عظیم ہے اور لکھو کھا درجے روح سے پاک ہے۔ اگر لمحہ بھر مسافت کون و مکان طے کر کے بالائے

Marfat.com

عرش مجید پہنچے کیا بعید ہے۔

ک۔منکرین کوتاہ نظر ذرا اپنے ہی نورِ باصرہ پر دھیان کریں۔ کہ آنکھ کھلتے ہی احساسِ سیاراتِ فلک کرنے لگتا ہے۔ پھر جسمِ مطہر محمدی جوان کی نگاہ سے ہزار ہا درجات لطیف ترین ہے۔قطع مسافت زمین و آسمان فرمائے۔تو اس کے محال ہونے کی کیا وجہ ہے۔

۳۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر معترضانہ صورت سے بیت المقدس کی حقیقت کا سوال کیا۔اور آپ بتلاتے رہے پھر جب بذاتہ مسجدِ اقصیٰ کا مسئلہ پیش ہوا۔تو آپ تامل میں پڑ گئے۔تو جبرائیل نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔یا بقول دیگر حجابات اٹھ کر نظر آ گئی۔اوّل تو بیت المقدس جو خاص ہیکل سلیمانی تھی کو بخت نصر کے حادثے میں گرا دیا گیا۔اور پھر جو اس کی تعمیر ہوئی۔تو اس کو انطاکیہ کے بادشاہ انٹیوکس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پیشتر ہی گرا دیا تھا۔اس کے بعد جو تعمیر ہوئی وہ حضرت مسیح علیہ السّلام کے عہد تک تمام نہیں ہوئی تھی۔جس کی سرپرستی ہیرودوس حاکم شام کرتا تھا۔جو قیاصرہ روم کا گورنر تھا۔اس کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کے موافق حضرت مسیح کے صعود سے تخمیناً چالیس برس بعد روم کے قیصر طیطوس نے بیخ و بن سے گرا دیا تھا۔اور اس پر ہل چلوا دیئے تھے۔پھر جب کسی نے اس کی تعمیر کا قصد کیا تو نہ کر سکا۔اس کی بنیادوں سے مدتوں تک آگ کے شعلے نکلتے رہے۔جو یہود پر مسیح کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے قہر الٰہی تھا۔آخر وہ تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد تک خراب پڑی رہی۔وہاں کوڑا کرکٹ پڑا رہتا تھا۔پھر اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا۔یہ بات عیسائیوں اور محمدیوں کی تاریخ میں بالاتفاق مانی گئی ہے۔پس آپ نے نماز وہاں کیونکر پڑھی۔اس کے نشانات لوگوں کے سوال کے موافق کیونکر بیان فرمائے۔اور اس عہد سے پیشتر صدہا سال سے ہی اس کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔وہ اس کے نشانات کیونکر پوچھ سکتے تھے۔دوم جو کچھ بھی ہو۔پھر اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو مکہ میں حاضر

Marfat.com

ہونے کے کیا معنی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام ایسی غلط باتوں اور توہمات پر مبنی ہے۔

معترض کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مسجد اس جگہ کا نام ہے۔ جو عمارات کے گر جانے یا بدل جانے سے نہیں بدلتی۔ اور وہ اپنی حیثیت میں زمین سے عرشِ اعظم تک مسجد ہوتی ہے۔ بیت المقدس یعنی وہ خاص ہیکل جس کو معترض نے پیش کیا ہے گو منہدم ہو چکی تھی۔ مگر اس کے آس پاس عیسائیوں نے مکانات تعمیر کر رکھے تھے۔ جن کو خود عیسائی اور عام لوگ ہیکل اور بیت المقدس ہی کہتے تھے۔ جن کو قریش مکہ نے جب کہ وہ اس ملک اور شہر میں تجارت کے لئے آتے جاتے تھے۔ بارہا دیکھا تھا۔ انہیں کی نسبت وقت معراج میں جو ہیکل کی موجودہ حالت تھی۔ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ اور اسی موجودہ حالت کو حضور نے بیان فرما کر مطابق سوال واقف فرما دیا۔ رہا اس کا (ہیکل) کا مکہ میں آپ کے سامنے موجود ہونا جسے دیکھ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو جواب فرماتے اور نشانیاں بتلاتے تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ان مکانات کو اُٹھا کر ملائکہ مکہ میں لے آئے تھے۔ بلکہ آپ پر انکشافِ روحانی ہوا اور تمام عمارت آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تو مؤید بالہام تھے۔ معمولی لوگوں کے سامنے غائب چیزوں کا پورا پورا نقشہ تصور میں کھینچ جاتا ہے اور وہ چیزیں اس عالم میں آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔ ہیکل یا بیت المقدس کی مختصر سی بحث ہم نے ایک علیحدہ باب میں درج کر دی ہے۔ جو قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگی۔ اور معلوم ہو جائے گا۔ کہ حضور پر جوابات کے لئے کس ہیکل کا اور کیسا نقشہ سامنے آیا تھا اور کفار نے اس کی کیونکر تصدیق کی۔ ایسے واہی تباہی شبہات کو پیش کرنا اہل عقل کا شیوہ نہیں۔

۴۔ کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان دو کُرّے ایسے ناقابل عبور ہیں۔ جن میں سے کسی کا گزر محال ہی نہیں بلکہ بالکل ناممکن ہے۔ ان کو کرۂ زمہریر اور کرۂ نار کہتے ہیں۔ پہلا اس قدر سرد ہے کہ اس میں سے گزرنے والا سردی سے متاثر ہو کر مانند برف کے ہو جائے۔ اور دوسرا اس قدر گرم ہے کہ اس میں داخل ہونے والے کے لئے بغیر خاکستر

Marfat.com

ہوئے بچنا محالات سے ہے پس ان دونوں کرّوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم شریف کیونکر گزر گئے۔

ہم جواب میں معترض سے عرض کرتے ہیں کہ تیزئ رفتار وحرکت کی کوئی حد معین نہیں ہے۔ جو چیز آپ جلتی آگ میں پھینکیں گے۔ خواہ وہ روئی کا گالا ہی کیوں نہ ہو جس زور سے پھینکی جائے گی۔ اتنی ہی وہ بے ضرر آگ سے عبور کر کے پار جا نکلے گی۔ یہی حال طبقۂ برودت کا ہوگا۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اس سرعت اور تیزی سے ان کرّوں سے نکال لے گیا کہ آپ کے جسم اطہر پر کرّۂ نار کی گرمی اور کرّۂ زمہریر کی سردی کا کوئی مطلق اثر نہ ہوا۔ یہاں معترض کو اس امر پر بھی غور کرنا چاہئے کہ کرّۂ نار و کرّۂ زمہریر سے گزرنا معترض کے لئے یوں مشکل ہے کہ وہ مامور من اللہ نہیں۔ حضور مشیت ایزدی کے ماتحت اٹھائے جاتے ہیں اور راستہ کے تمام کرّہ جات جن کو معترض بھی نہیں جانتا یا بعض کو جانتا ہے سب خدا کے حکم میں مسخر ہیں۔ جیسے آتش نمرود سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلا سکی حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ آگ میں جلانے اور پانی میں پیاس بجھانے کی بظاہر قوت ضرور موجود ہے۔ مگر یہ سب قوتیں خدا کی قوت کے ماتحت ہیں اگر خدا چاہے تو آگ کی ذرا سی چنگاری اور اس کا چھوٹا سا شعلہ بہت کچھ جلا دے۔ ورنہ آگ کا بہت بڑا آتشکدہ بھی ایک مکھی کا پَر نہیں جلا سکتا۔ اسی طرح پانی میں پیاس بجھانے کی قوت موجود ہے۔ مگر خدا کی مرضی کے خلاف مریض استسقا کی پیاس کسی قسم کا پانی بھی نہیں بجھا سکتا۔ تو قدرتِ خدا کا اقرار کرنے کے بعد یہ ایک لایعنی بات اور بے محل قیاس آرائی ہے۔ کیونکہ جس خدائے قادر نے اشیاء میں کوئی خواص رکھے ہیں۔ وہ ان کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ پھر پرستارانِ عقل کے پاس کونسی قطعی دلیل ہے کہ آگ ہر شے کو جلا ہی دیا کرتی ہے۔ اور اس کی حرارت اس سے کبھی منفک نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دسترخوان کو آگ میں ڈالنے اور تنور میں نہ جلنے کا قصہ بالاتفاق ذکر ہوا ہے اور بڑی وضاحت سے ہوا ہے۔ اس کو آگ نے کیوں نہ جلایا۔ گیس کے ہنڈے میں آگ کا ہونا اور پھر اس کی بتی کو

Marfat.com

نہ جلانا۔ سمندر کیڑے کا آگ میں زندہ رہنا اور غذا پانا یہ تمام باتیں ہم اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس پر بھی تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک عامل کسی کی بھٹی یا تنور یا چولہے کی آگ کو باندھ سکتا ہے۔ اور وہ اپنا کام نہیں کرتی۔ لیکن معترض خدا کو بھی (نعوذ باللّٰہ من ذالك) مجبور ومعذور پاتا ہے۔ چھاؤنی بریلی میں ایک مرتبہ جلسہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ہندو پنڈت جن کو اسلام پر بیجا منہ کھولنے کی عادت تھی۔ آ گئے اور دورانِ تقریر میں بول اٹھے کہ اسلام کی چند باتوں کے سوا باقی محض خوش عقیدتی پر مبنی ہیں۔ جن میں سے ایک مسئلہ معراج بھی ہے جو سراسر خلافِ عقل ہے۔ ایسی باتیں مذہب کی صداقت پر ایک دھبہ ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ ان سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنی کتب میں ایسی باتوں کو دیکھ کر کیوں تعجب نہیں کرتے تو کہنے لگے کہ ہماری کتب میں ایسی خلافِ عقل وفہم کوئی بات نہیں۔ فقیر نے کہا کہ رامائن کو دیکھئے جس میں ہنومان کا چھلانگ مار کر اور ایک بہت بڑا سمندر پھاند کر لنکا پہنچ جانا لکھا ہے کیا یہ مطابق عقل وفہم ہے۔ پھر اسی ہنومان کا سرسا دیوی کے منہ میں گرفتار ہونا اور یہاں تک موٹا ہوتے جانا کہ سرسا دیوی کا منہ چار سوکوس کے برابر کھل جائے اور پھر سمٹ کر مچھر بن جانا اور خلاصی پانا کہاں کی عقلی دلیل ہے تو ہچکچا کر مبہوت ہو گئے۔ اور بڑی شرمندگی سے بولے کہ یہ تو بزرگوں کی باتیں ہیں۔ میں نے کہا کہ تم ابھی تک اس بات سے واقف ہی نہیں کہ مسئلہ معراج بھی کسی بزرگ سے تعلق رکھتا ہے یا کسی غیر بزرگ کی اختراع ہے۔

۵۔ کہا جاتا ہے کہ اگر واقع معراج سرکار دوجہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیداری کا واقعہ ہوتا۔ تو قرآن کریم اس کو لفظِ لیل کی قید سے مقید نہ فرماتا چونکہ آپ کے معراج میں سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً آیا ہے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ رات کا تذکرہ اس کے خواب کا واقعہ ہونے پر دال ہے۔

معترض کو معلوم ہونا چاہئے کہ واقعہ معراج چونکہ رات کو پیش آیا تھا۔ اس لئے لفظ لیل کے ساتھ اس کے وقت کا ذکر کیا گیا۔ اگر دن کو ہوتا تو دن کا مذکور ہوتا۔ اس کے یہ معنی نہیں

Marfat.com

کہ جہاں کسی فعل کا پورے ہونے میں لیل کا لفظ آئے وہ واقعہ خواب ہی کا ہوتا ہے اور اس کو بیداری کے معنوں میں لے آنا کوئی علمی لغزش ہوتی ہے۔ اس مقام پر لیلًا کا لفظ نکرہ واقع ہوا ہے کہ اس سے تقلیل کا فائدہ پہنچے جس سے مراد پوری رات نہیں بلکہ رات کا بعض حصہ ہے تا کہ کوئی اس کو ساری رات کی سیر نہ سمجھ لے اور اس لیل کے لفظ سے یہ امر بھی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ اس قدر طویل سفر اور لمبی سیر کسی بڑے عرصے میں نہیں ہوئی بلکہ اس کی مدت قلیل ایک رات یا رات کا بعض حصہ ہے۔ جس سے قادر و قیوم کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے یہ نظریہ قائم کر لینا سراسر غلطی ہے کہ واقعہ معراج خواب تھا۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں کئی ایسے واقعات متعدد مقامات پر ذکر کیے گئے ہیں جن کی لفظ لیل سے تعیین کی گئی ہے اور وہ واقعات خواب کے نہیں مثلاً ارشاد ہے کہ فاسر بعبادی لیلا انکم متبعون ؕ ترجمہ: پس میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چل۔ تحقیق تم پیچھا کیے جاؤ گے۔ یہ آیت جس واقعہ کو بیان فرماتی ہے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو فرعون کے شہر سے نکالنے اور لے جانے کا واقعہ ہے جو عالم بیداری میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ دوسری آیت میں ہے فاسر باهلك يقطع من الیل یعنی لے نکل اہل اپنے کو رات میں۔ یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ قومِ لوط کا واقعہ رات کو چل نکلنے کا ہوا۔ جس کے نکل جانے کے بعد ان کے اہلِ دہ کو عذاب کیا گیا۔ تو یہ خواب نہ تھا کہ لیل کا مذکور ہونے سے بیداری کا انکار کرا دے۔

۶۔ کہا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے تھے تو کئی سالوں کی مدت کا اندازہ قیام فرمایا تھا۔ پھر اتنی دیر آپ کا بستر کس طرح گرم رہا۔ اور زنجیر درِ حجرہ کیونکر متحرک رہی۔

معترض صاحب اگر آج سے کوئی سو ۱۰۰ سال قبل پیدا ہوتے اور اعتراض کرتے تو ممکن تھا کہ اس اعتراض کا جواب عملی رنگ میں ان کی سمجھ میں نہ آ سکتا۔ کیونکہ کوئی مثالی چیز پیش کرنے کو شاید نہ ملتی۔ آج تو ایجادات نے انسان کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ ایسے

Marfat.com

اعتراضات زبان پر لانا بھی عقل وفہم کی توہین ہے۔ کیا معترض نے پانی رکھنے یا چائے کو محفوظ کرنے کی انگریزی سفری بوتل کو نہیں دیکھا۔ جس میں بہت سے وقت کے لئے جب تک مسافر کی مرضی ہو پینے کی چیزیں اپنی حسب منشاء سرد یا گرم رکھی جا سکتی ہیں اور سالہا سال کی حرکت میں کلاک یا ٹائم پیس وغیرہ رہ سکتے ہیں۔ پھر انسانی قوت کو تو فوراً تسلیم کر لیا جاتا ہے اور خدائے قادر وتوانا پر کیوں ایمان نہیں لایا جاتا۔ حالانکہ وہی اس تمام کائنات کے کارخانہ کا مالک اور خالق ہے۔ جس کی قدرت ذرّے ذرّے میں جاری وساری ہے۔

۷۔ سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سدرہ کے معنی بیری کے ہیں جس کے پتوں کا تذکرہ بھی حدیث میں قلال حجر کے برابر مذکور ہوا ہے اور بیری میں اکثر کانٹے بھی ہوتے ہیں لہٰذا عالم بالا میں جہاں سے افق اعلیٰ قریب تر ہو کانٹے دار درختوں کا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

معترض صاحب کو سدرہ کے لفظ نے ایسا مبہوت کیا ہے کہ وہ خاردار بیری کے بغیر اور کوئی مفہوم اس کا سمجھ ہی نہیں سکے۔ حالانکہ بہت سی وہ چیزیں ہیں جن کے نام ان کی جنسیت کو نہ مدّنظر رکھتے ہوئے خود انسانوں نے وضع کر لئے ہیں اور ان سے ان کے نام کا مطلب لے کر موضوع نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً ڈاکٹر اقبال کی کتاب بالِ جبرائیل کیا وہی بالِ جبرائیل ہے جو اپنا اصل موضوع رکھتا ہے یا اخبار وکیل وہی وکیل ہے جو دو چار من وزن کا انسان ہو یا وہ ہستی جس کی یہ صفت ہو۔ کیا ایک شخص کا نام بدر الزمان رکھ دیا جائے تو اس سے مراد وہی بدر ہوگا۔ جو زمانے پر اپنی مختلف منازل کے حساب سے طلوع کرتا ہے۔ کسی شہر کا نام الٰہ آباد ہونے سے یہ نتیجہ لازم نہیں آتا کہ وہاں خدا کی رہائش ہے۔ جس طرح نور پور نور جہاں کا بسایا ہوا ہے، اسی طرح الٰہ آباد بھی خدا کی بسائی ہوئی بستی ہے۔ یونہی سدرۃ المنتہیٰ کا تذکرہ ہے اور وہ اپنی بلندی کے لحاظ سے ایک واقع مقام ہے جو اس نام سے مشہور ہے اس کے نام کے لحاظ سے درخت بیر کا وہاں سمجھنا اور کانٹوں کا خطرہ محسوس کرنا ایک بے ضرورت استنباط ہے۔ اگر اتنا ہی سمجھ لیا جائے کہ ایک مقام ہے تو معترض کو خار دار

Marfat.com

جھاڑیوں سے الجھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔اس کے علاوہ قرآن کریم اس کی نفی نہیں فرماتا کہ اس زمین کے علاوہ جس پر معترض کی لاش ہے کسی اور ستارے یا سیارے یا آسمان پر بیری کا درخت پایا جانا غیر ممکن ہے۔ بلکہ اس نے بہشت میں درخت بیر کا ہونا ذکر فرمایا ہے اور ایسی بیری کا جس کے کانٹے لگنے سے معترض کی آنکھ بچ جائے یعنی سدرِ مخضود و طلح منضود ۔فرمایا ہے کہ کانٹے صاف کی ہوئی بیریاں اور پھل سے لدے ہوئے کیلے کے پودے ہوں گے۔معترض کو اب بھی کانٹوں کا خطرہ لاحق رہے گا۔یا خدا کی جنت سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ ؎

رسائی نہیں عالمِ ہُو میں اس کی   گزر خاک پر ہے نظر خاک پر ہے
یہ باعث ہے الفت کا اس خاکداں کی   کہ وہ عالم پاک سے بیخبر ہے

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

حکایاتِ نادرہ

بعض کور باطن کسی اہم معاملہ کو سمجھنے کے لئے ہر بات پر ہمیشہ عمومی مثالیں تلاش کیا کرتے ہیں جن سے اس معاملہ کی اگر انتہائی کیفیت واضح نہ ہو تو ان کو کم از کم ابتدا کا ہی انکشاف ضرور ہو جائے تا کہ ان کی کم ظرفی کو کوئی راہ تسلیم مل سکے۔ مثلاً بعض کفار قریش نے اسی مسئلہ معراج میں بڑی منصف مزاجی سے جو کام لیا تو یہ کہا کہ آسمانوں کے حالات سے ہم ناواقف ہیں۔ اور بیت المقدس تک کا زمینی سفر ہم بھی بقائی حواسِ خمسہ کر چکے ہیں۔ آپ بیت المقدس تک ہی اگر اپنے معراج زمینی کے آثار و علامات بیان فرما کر صحیح ثابت کر دیں تو آسمانی معراج کے ہم خود قائل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور علیہ السلام نے واضح طور پر ثابت فرما دیا۔

اسی طریق میں کے بعض وہ لوگ ہیں جن کا معترضانہ رنگ قطعی مخالفت لئے ہوئے ہوتا ہے۔ مگر جب عملی تصدیق ان کے تمام جھگڑے کی راہیں بند کر دیتی ہے۔ تو وہ قطعی مخالف ہونے کے بجائے پکے مطابق اور صحیح الایمان مومن بن جاتے ہیں۔ چونکہ ہٹ دھرمی سے کام لینا دین حقہ میں جرم ہے اور جان بوجھ کر آیات اللہ سے انکار ایک مرتدانہ شوخی اور ملحدانہ جسارت ـــــ اس لئے ہر مسلمان کو لازم ہے کہ دین کے معاملات میں سوائے حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع غلامانِ رسول اللہ (جو ہر زمانہ میں) اسلام اور کتاب اللہ کے صحیح عامل ہوتے چلے آئے ہیں۔ کسی زید بکر عمر کے بیہودہ اور خلاف شرع خیال کا تتبع نہ کرے تا کہ اس پر بھی انوار نبوت چمکیں۔ اور یہ بھی ان دقائق غامضہ کو سمجھ سکے جو نبوت کے ذریعہ اس تک پہنچے ہیں۔ اور جن کی ضیاء پاش نورانیت اس کو بھی راز الٰہی کا اہل اور اسرارِ قدرت کا حامل بنا سکتی ہے لہٰذا؟ یہاں ظاہر بینوں کے لئے چند حکایات پیش کی جاتی ہیں جن سے ان کو پتہ چل جائے گا کہ قدرت الٰہیہ کا تعلق جب عوام الناس

Marfat.com

میں اس طرح ساری ہے تو محبوب الٰہی کی کیفیت وفضیلت اس کی شانِ محبوبیت کو سامنے رکھتے ہوئے کیا ہونی چاہئے۔

حکایت: برگزیدہ بزرگان نقشبندیہ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک بزرگ خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی بہترین تصنیف فضل الخطاب میں لکھا ہے کہ سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں سے ایک مرید دریائے دجلہ پر غسل کرنے کو گیا۔ کپڑے اتار کر کنارے پر رکھے اور خود دریا میں غوطہ لگایا اچانک دیکھتا ہے کہ ہندوستان میں ہوں۔ وہاں عمر کا بہت سا حصہ گزارا۔ متاہل ہوا اولاد پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد دوسری مرتبہ پھر پہلے کی طرح کیفیت ہوئی اپنے آپ کو دجلہ میں دیکھا کپڑے کنارے پر دھرے تھے۔ پانی سے نکل کر لباس پہنا اور خانقاہ میں آیا تو خانقاہ کے لوگ ابھی اسی دن کے وضو میں مشغول تھے اس کے ساتھ ہی خواجہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تو ظاہریت ہے سالک راہِ سلوک جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو ایک دم میں ہزار سالہ راہ طے کرتا ہے جب غلامانِ محبوب خدا کی یہ حالت ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کثافت جسمانی کے شبہ میں گرفتار ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات سے منکرانہ صورت بنانا کس ایمان افروزی کی دلیل ہے؟

حکایت: فقیر کے اصلی وطن ضلع سیالکوٹ میں ایک بزرگ حافظ صاحب (جن کا اسم گرامی) اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو صوفی حافظ امام الدین رحمتہ اللہ علیہ تھا۔ ان کے بہت سے کمالات کے علاوہ ایک عملی کمال یہ بھی ظاہر ہوا کہ آپ حج بیت اللہ شریف کو تیار ہوئے۔ تو آپ کے ایک غریب سے خادم نے جس کے پاس زادِ راہ بہت کم تھا عرض کیا کہ حضور اگر اجازت فرمائی جاوے تو بندہ بھی ہم رکاب چلے اور حج بیت اللہ سے باریاب ہو۔ آپ نے اس سے زادِ راہ کا دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس سفرخرچ کی قلت ہے۔ تو اس خادم سے ارشاد کیا۔ میاں تم پر اس حیثیت میں حج فرض نہیں۔ تم یہیں اللہ اللہ کرو جب زادِ راہ کی پوری توفیق رفیق ہوگی پھر چلے جانا مگر وہ بضد ہوا۔ کہ مجھے ضرور

Marfat.com

ہمراہ لے چلیئے آخر بہت رد و کد کے بعد جب اس کے اصرار اور معروضات کو حد سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا تم یہاں ہی رہو۔ شریعت تم کو اس معاملہ میں مواخذہ نہیں کرتی اور حج کے ایام میں پاکیزہ لباس پہن کر میری چارپائی پر میرے حجرے میں سو جایا کرنا۔ خداوند عالم کی مہربانی سے تمہاری غرض حج بیت اللہ کی پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور اس نے یہی وطیرہ اختیار کر لیا جب ایام حج آ گئے اور وہ حسب دستور اپنے معمول کا پابند رہا تو خاص حج کے دن کیا دیکھتا ہے کہ وہ بیت اللہ میں ہے اور حضرت حافظ صاحب ساتھ ہیں ارکانِ حج ادا کرا رہے ہیں اور بعد فراغت ادائیگی فرماتے ہیں کہ لو تمہارا کام ہو گیا ہے۔ تم چلو اور یہ میرا قرآن کریم جو میں اپنے ساتھ اس سفر میں لایا تھا لے چلو میں بھی آ جاؤں گا آپ کا خادم وہاں سے اسی حالت میں واپس ہو آتا ہے اور بیداری کے وقت وہ صرف اس گزشتہ کیفیت کو ہی یاد کر کے مسرور نہیں ہوتا بلکہ آپ کا وہ قرآن کریم جو آپ ساتھ سفر بیت اللہ میں بغرض تلاوت لے گئے تھے۔ اپنے پاس پاتا ہے اور اپنے حج پر نازاں ہوتا ہے اس واقعہ کو وہی ایک شخص نہیں بلکہ ایک دنیا جانتی ہے کہ حافظ صاحب حسب قاعدہ دیگر حجاج کے ساتھ واپس تشریف لائے اور آپ نے اس سے قرآن کریم کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ اس لئے دیا تھا تاکہ تو شیطانی وسوسہ اور خوابی وہم سے محفوظ رہے۔ ذرا خیال فرمایئے کہ غلامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب یہ کیفیت ہے۔ تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کمال معراج کو محال جاننا ایک گندہ عقیدہ اور مذموم ذہنیت نہیں تو اور کیا ہے؟ چودھویں صدی کے نامور شاعر علامہ اقبالؔ اسی موضوع پر فرماتے ہیں:۔

کیمیا پیدا کن از مشت گلے　　　بوسہ زن بر آستانِ کاملے

شمع خودرا ہمچو رومی برفروز　　　روم را در آتشِ تبریز سوز

حکایت: فقیر کے ایک نہایت محترم بزرگ نے اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان فرمایا جو حقیقتاً مسئلہ معراج سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اور مومنوں کی افزونی ایمان کے لئے یہاں پر درج کیا

Marfat.com

جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے گاؤں کوٹلی لوہاراں میں ایک درویش سیّد فضل شاہ المعروف سائیں پھلا رحمتہ اللہ علیہ رہا کرتے تھے جن کی حالت کچھ مجذوبانہ تھی۔ ایک مرتبہ وہ پھرتے پھراتے سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ ایک چوک میں ایک پادری صاحب مسئلہ معراج النبی علیہ السلام پر لغو اعتراضات کر رہے ہیں۔ اور عوام الناس میں سے (جو اکٹھے ہو چکے تھے) کچھ لکھے پڑھے مسلمان بھی اس کے اعتراضات کے جوابات دینے میں مقابلہ پر ڈٹے ہوئے ہیں تو تو میں میں کا بازار گرم ہے غوغا آرائی ہو رہی ہے کبھی ان کے جوابات پر تالیاں بج رہی ہیں اور کبھی اس کے اعتراضات کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے ہجوم دیکھ کر سیّد صاحب بھی آگے بڑھے اور اپنے مجذوبانہ انداز میں لوگوں سے پوچھنے لگے کہ یہ کیسا شور ہے۔ کیا کوئی تماشہ ہو رہا ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں اہل علم کا مناظرہ ہو رہا ہے۔ ایک طرف ایک عیسائی پادری ہے۔ اور دوسری جانب مسلمان مولوی۔ آپ نے پوچھا کہ مسئلہ کیا ہے ہم بھی سنیں۔ لوگوں نے کہا میاں تو تو دیوانہ ہے یہ علم کی باتیں ہیں تو کیا جانے۔ آپ نے فرمایا سننے میں کونسا گناہ ہے۔ آخر تم بھی تو سن ہی رہے ہو۔ تو مخاطب سے جواب ملا کہ مسئلہ معراج النبی علیہ السلام پر بحث ہے۔ پادری کہتا ہے کہ جسم کے ساتھ بیت المقدس تک سفر کرنا اور آسمانوں پر چڑھنا ناممکنات سے ہے کیونکہ انسان کی کثافت جسمی ایسے عملِ محال کی مقتضی نہیں ہو سکتی کہ آسمانوں اور لامکان تک انسان جا سکے اور مسلمانوں کے مولوی صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فضیلت کو ثابت کر رہے ہیں۔ اتنی بات سن کر سیّد فضل شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ آگے بڑھے۔ اور پادری سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ پادری صاحب کیا میرا جسم کثیف اس سامنے والی دکان کی دیوار سے بغیر دروازے اور دیوار کے پھٹنے کے دکان میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں تو پادری صاحب نے کہا کہ ہرگز نہیں پھر سیّد صاحب فرمانے لگے اگر میں ایسا کر کے دکھا دوں تو پھر اس نے کہا پھر آپ سچے ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت بھرے مجمع میں دیوار پر آنکھیں بند کر کے ہاتھ رکھا اور بغیر دیوار پھٹنے کے دکان کے اندر داخل ہو گئے اور آوازیں دینے لگے مگر

Marfat.com

اس پر بھی اس کا اطمینان نہ ہوا تو پھر اسی طرح اندر سے باہر آئے پھر اندر گئے حتیٰ کہ تین مرتبہ ایسا کر کے دکھایا جس کو ایک کثیر جماعت حاضرہ نے دیکھا اور سیّد صاحب کے کمال اور سرکارِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج پر دلوں سے تصدیق کر گئی۔ سیّد صاحب نے فرمایا کہ فقیر کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجسم نور الٰہی سے حقیقتاً کوئی ہزاروں حصہ بھی نسبت نہیں۔ وہ ہستی نور خدا صلی اللہ علیہ وسلم وراء الوراء ہستی ہے جب میرے اس جسم کثیف کے سامنے کثافت دیوار حائل نہیں ہو سکی تو سرکارِ انبیاء کا جسم اطہر جو نور مجسم تھا اور حکم الٰہی سے صعود الی السماء کر رہا تھا ایسے محالات کو کیا جانتا ہے جب کہ یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا بھی فرمایا گیا ہے کیا اس عملی دلیل کے سامنے بھی واہی تباہی اعتراضات کو جگہ مل سکتی ہے ہاں وہ لوگ جنہیں نور نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری ہے ان کے منہ کھولنے میں معذوری ہے؟

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ست   آبروئے ماز نامِ مصطفیٰ ست
عاشقان اوز خوباں خوب تر   خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

حکایت: مولانا جلال الدین سیوطی رومی رحمتہ اللہ علیہ کا جن کو (زمانہ بھر کے عقلاء و ادباء) ایک بے مثال فلاسفر مانتے ہیں یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ اپنے شیخ کامل خواجہ کمال الدین جندی رحمتہ اللہ علیہ کی اجازت سے مولانا رومی کے پاس آئے۔ جب آپ مکتب مولانا رومی علیہ الرحمۃ میں پہنچے اس وقت حضرت مولانا اپنے معمول کے مطابق درس تدریس میں مشغول تھے۔ شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا کو اپنے مجذوبانہ انداز میں مخاطب فرما کر کہا۔ کہ یہ کیا قصہ کہانی اور دماغ سوزی ہو رہی ہے۔ مولانا کو اس آواز سے سخت ملال ہوا اور فرمایا کہ تیری دیوانگی اس کی اہل نہیں اور تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ پاس بیٹھ گئے اور مولانا کی بڑی محنت کی لکھی ہوئی دو چار کتابیں ان کی نظر بچا کر پانی کے تالاب میں (جو مسجد ہی میں تھا) ڈال دیں۔ مولانا ان کی اس حرکت سے سخت برافروختہ ہوئے اور غصہ کھا کر جزع فزع کرنے

Marfat.com

لگے۔ کہ تم نے میری محنت کی پیدا کردہ کتب کو بھگو کر ستیاناس کر دیا ہے حضرت شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ آپ کی ناراضگی حد سے بڑھ رہی ہے تو فرمایا مولوی صاحب اس ناراضگی کا کیا باعث ہے لو یہ آپ کی قیمتی کتابیں ہیں۔ اور یہ کہتے ہی ہاتھ تالاب میں ڈالا اور خشک وغبار آلود کتب جن پر سے گرد اڑتی تھی اور پانی کا نشان تک نہ تھا۔ نکال دیں اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ یہ تمہارا ہی علم ہے جس کو پانی میں گل جانے کا اندیشہ ہے ہمارے علم کو یہ خوف نہیں۔ وہی دن تھا کہ مولانا رومی علیہ الرحمتہ حضرت شمس تبریزی کے اس کمال سے اولیاء اللہ کی حقیقت و درجات سے واقف ہوئے جس کی نسبت خود ارشاد فرماتے ہیں۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے رومؒ   تا غلام شمس تبریزی نشد

اسی حکایت اور حقیقت کو اپنی تحقیق کے ماتحت علامہ اقبالؔ دوسرے الفاظ میں اپنی مشہور تصنیف مثنوی اسرار خودی میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

اے کہ باشی در پئے کسب علوم   با تو میگویم پیام پیرِ روم

علم را برتن زنی مارے بود   علم را بر دل زنی یارے بود

آگہی از قصۂ اخوندِ روم   آنکہ داد اندر حلب درس علوم

پائے در زنجیر توجیہاتِ عقل   کشتیش طوفانیٔ ظلمات عقل

موسیٰ بیگانہ سینہائے عشق   بیخبر از عشق و از سودائے عشق

از تشکک گفت و از اشراق گفت   وز حکم صد گوہر تابندہ سفت

عقدہائے قول مشائین کشود   نور فکرش ہر خفی را وا نمود

گرد و پیشش بود انبار کتب   برلب اور شرح اسرار کتب

پیر تبریزی ز ارشادِ کمالؔ   جست راہِ مکتب ملّا جلال

گفت ایں غوغا و قیل وقال چیست   ایں قیاس و وہم و استدلال چیست

مولوی فرمود ناداں لب بہ بند   بر مقالاتِ خرد منداں مخند

Marfat.com

پائے خویش از مکتبم بیروں گداز — قیل وقال است ایں ترا باوے چہ کار
قال ما از فہم تو بالا تراست — شیشۂ ادراک را ردشنگر است
سوزِ شمس از گفتۂ ملاّ فزود — آتشے از جانِ تبریزی کشود
بر زمیں برقِ نگاہِ اوفتاد — خاک از سوزدم شعلہ زاد
آتش دل خرمن ادراک سوخت — دفترِ آں فلسفی را پاک سوخت
مولوی بیگانہ از اعجازِ عشق — ناشناسِ نغمہ ہائے سازِ عشق
گفت ایں آتش چساں افروختی — دفتر ارباب حکمت سوختی
گفت شیخ اے مسلم زنار دار — ذوق وحال است ایں ترا باوے چہ کار
حال ما از فکر تو بالا تر است — شعلۂ ما کیمیائے احمر است

مسلمانو! یہ ہے ایک صوفی کی زندگی کا عملی پہلو جس نے مولانا جلال الدین رومی جیسے بے مثل فلاسفر اور فاضل اجل کی زندگی کی حیثیت یک قلم بدل دی۔ آج بھی ہمارے گردو پیش کے حالات اسی امر کا تقاضا کر رہے ہیں کہ صوفیاء کرام، سجادہ نشین حضرات اور اہل طریقت سب کے سب اپنے اندر وہی سرگرمی اور جذبۂ دعوت وتبلیغ پیدا کریں جو متقدمین میں پایا جاتا تھا۔ اور جس کی بدولت ظلمت کدہ ہندوستان نور اسلام سے منور ہوا۔ ہم میں کون ایسا ہے جو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، خواجہ بہاء الدین زکریا، خواجہ نظام الدین دہلوی، حضرت داتا گنج بخش رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے نام سے واقف نہیں۔ کیا ان کی زندگی کا نمایاں پہلو تبلیغ اسلام نہیں۔ اور کیا انہوں نے اس فریضہ کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف کو صبر اور شکر کے ساتھ برداشت نہیں کیا۔ کیا آپ نے ان کی زندگیوں پر کچھ غور وفکر کیا اور کیا آپ نے کہیں دیکھا کہ فرض سے کوتاہی کی خاطر انہوں نے مصلحت وقت۔ حالات کی مساعدت اور قوم کی ہمنوائی کا عذر پیش کر کے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر ہم میں یہ تساہل اور غفلت کیوں ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے فرائض کو سمجھیں۔ اور ان کی صدا پر لبیک کہیں۔

Marfat.com

اس مقصد کی خاطر ہمیں اپنے اندر اتحاد و یک جہتی پیدا کرنی اور ایک مرکز پر جمع ہونا ہو گا۔ اپنے تمام اختلافات کو دلوں سے محو کر کے اسلام اور تبلیغ اسلام کے لئے بڑے سے بڑے ایثار اور عظیم الشان سے عظیم الشان قربانی دینی ہوگی۔ کیونکہ وہ فرض جس کی جانب سے ہمارے مسلم بادشاہوں نے تغافل برتا آج اس کے تکمیل کا وقت آ گیا ہے۔ ہندوستان کے آٹھ کروڑ اچھوت اور اونچی جاتی کے کروڑوں انسان مائل بہ اسلام ہیں دنیا کی موجودہ سیاسی و معاشرتی کش مکش دنیا کو اسلام کے قریب تر لا رہی ہے فقط ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مستعد ہو کر میدان میں نکلیں اور وہ کام جو ہمارے ذمہ عائد ہو چکا ہے۔ اسے پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

حکایت: موضع رتڑ چھتڑ والے بزرگوں کا یہ ایک مشہور و معروف قصہ زبان زد خلایق ہے اور اس پر ایک آبادی شاہد ہے۔ کہ وہ ایک مقام پر تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کسی معتقد و مرید کے ہاں تشریف لے گئے تو وہاں بعض اُن بد باطن لوگوں نے (جو بزرگان دین سے عقیدۃً ہمیشہ مخالف رہتے ہیں) عجیب ڈھونگ رچایا اور حضرت صاحب موصوف الصدر کی آزمائش کے درپے ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے منصوبہ گانٹھا کہ یہ لوگ صاحب باطن اور روشن ضمیر کہلاتے ہیں۔ ان کو کسی طریقہ سے ذلیل کرنا چاہئے۔ اور طریقہ تذلیل یہ نکالا کہ ایک نوجوان کو جیتے جی کفن پہنایا کہ اس کا صاحب موصوف کو جنازہ بنا کر پیش کریں تا کہ نماز جنازہ پڑھا دیں جب وہ جنازہ پڑھا دیں گے تو یہ اٹھ بیٹھے گا۔ ان کی فضیحت ہوگی۔ حتیٰ کہ وہ اس کو آپ کی خدمت میں بصورت جنازہ لے آئے اور آ کر منہ بسورتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ حضرت یہ ایک نوجوان میّت ہے آپ اس کی خوش قسمتی سے تشریف لے آئے ہیں ممکن ہے کہ حضور کی دعائے خیر سے اس کی نجات ہو جائے۔ آپ اس کا جنازہ پڑھا دیں۔ اور دلوں میں وہی خیال کہ آپ کو اس کی زندگی کا علم نہ ہوگا۔ ہم بعد نماز جنازہ مضحکہ اڑائیں گے۔ ان کی اس درخواست پر صاحب موصوف نے فرمایا۔ کہ میاں تمہارا ہی امام اس کے جنازہ کا حق رکھتا ہے اس سے کہو مگر انہوں نے اپنی بدنیتی پر اصرار کیا

Marfat.com

کہ آپ کو اجازت ہے آپ ہی پڑھائیں۔ چنانچہ آپ نے اجازت پا کر جنازہ پڑھا دیا۔ اب وہ لوگ اپنے خبث باطنی کے ماتحت اس شریر میت کو اشارے کرنے لگے کہ اٹھ بیٹھے۔ ان بزرگوں نے دیکھ کر فرمایا۔ کہ کس کو اٹھا رہے ہو مجھے خدا کی قسم ہے کہ یہ مردہ قیامت کو بھی باقی مخلوق سے بعد اٹھے گا۔ چنانچہ جب معلوم کیا تو وہ واقعی مر چکا تھا۔ اللہ اکبر۔ جب موت وحیات کے کاموں میں بندگانِ خدا اور غلامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تصرف ہے۔ تو سرکار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی علوِ مرتبت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں:۔

اولیاء راہست قدرت از الٰہ

تیر جستہ باز گردانند زارہ

حکایت: سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ایک خدا کا بندہ میرے ہم سفر تھا۔ کہ راستہ میں دریا آ گیا۔ کشتی تیار تھی۔ ہم نے اس میں بیٹھ کر پار جانے کا قصد کیا تو ملاحوں نے کہا کہ ہم کو کچھ محنتانہ دو پھر ہم کشتی پر سوار کریں گے۔ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس پیسے اتنے موجود تھے جو میں نے اپنی طرف سے ادا کر دیئے لیکن میرے ہم سفر کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس نے نہ خود ہی ادا کئے اور نہ میں ہی اس کی طرف سے ادا کر سکا۔ حتیٰ کہ وہ رہ گیا۔ اور کشتی روانہ ہوگئی۔ مجھے اپنے ہم سفر کے رہ جانے کا بڑا رنج ہوا مگر کیا تھا مجبور ہو کر ساتھی کو چھوڑنا پڑا۔ میں اسی افسوس میں تھا کہ کشتی دریا کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔ میں جب کشتی سے اترا۔ تو میں نے دیکھا کہ وہی میرا ہم سفر اگلے کنارے پر کھڑا ہے میں بڑا خوش ہوا۔ اور پوچھا۔ کہ میاں آپ کس طرح پہنچے۔ تو اس نے کہا (تر کشتی آورد وما را خدا) تمہیں تمہاری کشتی لے آئی۔ اور ہم کو ہمارا خدا لے آیا۔ تم جب کشتی پر روانہ ہوگئے۔ تو میں نے اپنا مصلیٰ پانی پر ڈال دیا۔ اور تم سے پہلے کنارے پر آ پہنچا۔ اہل دانش کے لئے کس قدر غور کا مقام ہے کہ ایک مرد مومن پانی کو جلد از جلد عبور کرنے میں باوجود جسم کثیف رکھنے کے پابند اسباب نہیں تو حضور علیہ السلام کیونکر محالاتِ

Marfat.com

عقلی کے دائرہ میں محدود ہو سکتے ہیں۔ ایسی ہزار ہا مثالیں اہل اللہ میں موجود ہیں۔ کہ وہ لاکھوں کوسوں کا سفر منٹوں میں طے کرتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں کئی جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ آگ ان پر اثر نہیں کرتی۔ ہوا کے جھونکے ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ سردی گرمی کے تاثرات سے وہ مستثنیٰ ہیں۔ ہزاروں منوں کا بوجھ سیکنڈوں میں لانے پر ان کو قوت حاصل ہے۔ جیسے قرآن کریم میں بلقیس کے تخت لانے کا قصہ آصف بن برخیا کے حالات میں بیان فرمایا گیا ہے پھر تعجب ہے کہ عقل سفلی کے پابند اہل اللہ تو درکنار خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جن کی طفیل آپ کے غلاموں کو یہ طاقتیں حاصل ہیں۔ تنقیص کرتے ہیں۔ جو سراسر ایمان جیسی نعمت عظمیٰ کے ضائع کر بیٹھنے کی دلیل ہے اللھم احفظنا من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

حکایت: حضرت شیخ المحدثین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز (جن کے خاندان کی برکت سے ہندوستان میں علم حدیث آیا اور پھیلا ہے) اپنی مشہور تصنیف در الثمین فی مبشرات النبی الامین کی پندرھویں حدیث کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے میرے سیّد و والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم رحمتہ اللہ علیہ دہلوی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بعارضہ بخار بیمار ہوا تو میں نے سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور علیہ الصلوات والسلام نے مجھ سے حال پوچھا اور صحت شفا کی بشارت فرما کر مجھے حکم فرمایا کہ میرے وضو کے لئے پانی لاؤ۔ میں نے پانی خدمت اقدس میں پیش کیا جس سے حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا اور بعد وضو کے اپنی ریش مبارک میں شانہ کیا یعنی کنگھی فرمائی۔ اور کنگھی سے جو دو بال ریش مبارک سے اترے وہ مجھے عطا فرمائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے میں جب بیدار ہوا۔ تو بیماری سے مجھے بالکل صحت تھی۔ اور وہ دونوں موئے مبارک میرے ہاتھ میں موجود تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ایک بال مبارک حضرت والد مکرم رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے عنایت فرمایا جو اب تک میرے پاس ہے اور ایک اپنے پاس رکھا۔ تعجب کی بات ہے کہ اس جسم مطہر کے متعلق بھی

Marfat.com

معترضین معراج جسمانی کو محالات سے سمجھتے ہیں۔ جو اپنی جسمانیت کے ساتھ آنکھوں میں سما جائے وضو فرمائے اور جسمانیت ظاہری کا ثبوت اپنے بال مبارک چھوڑ جائے۔ اگر یہ محض روحانی ملاقات تھی تو بال کس کے تھے۔ اور اگر جسم مبارک تھا تو آنکھوں میں کیونکر سمایا۔ یہی گومگو ہے جو معترضین کو مذبذب رکھتی ہے۔ مولا کریم ان کو بھی نور نبوت سے بہرہ مند کرے۔ کہ وہ اپنی بشریت اور انما انا بشر مثلکم کی بشریت کے مخمصہ سے نجات حاصل کریں۔ اور انی لست کھئیتکم و ایکم مثلی کے مرتبے کو جانیں۔ ورنہ قَالُوْا اَلْبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا کے قائل ہو کر ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

حکایت: حضرت شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکر اجودھنی پاک پٹنی رحمتہ اللہ علیہ اس واقعہ کو جو تالاب شمسی کے متعلق ہے جس کو (شمس والئے دہلی نے بنانا چاہا تھا) اپنے شیخ حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سے اپنی مشہور تصنیف فوائد السالکین میں یوں ارقام فرماتے ہیں کہ اس کو ایک حوض بنانے کا خیال دامن گیر ہوا بہت سے مقامات تجویز کئے پسند نہ آئے ایک دن اپنے درباریوں کو ساتھ لے کر جگہ کی تعین کو روانہ ہوا حتیٰ کہ ایک جگہ پسند کی جس کا نشان سرکارِ دوجہاں تاجدار کون ومکاں نبی الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیا تھا اور وہیں تالاب شمسی بنایا ہوا اب بھی موجود ہے اہل حق کے لئے اصل عبارت فوائد السالکین کی درج کی جاتی ہے۔ تاکہ ایمان تازہ کریں۔

شمس والئے دہلی خواست کہ حوض بنا کند یک روز سوار شد با جمیع ارکان دولت زمین برائے راست کنانیدن میدید چنانچہ رسید آنجا کہ حوض است بایستاد کہ ایں زمیں بہتر است۔ چوں دید باز گشت و در قصر آمد چوں آں مردیکہ از واصلان حق بود ہمدریں نیت درآں شب ہمبران مصلیٰ قدرے در خواب شد۔ چنانچہ دید نزدیک چبوترہ کہ درآں حوض است کہ مردے با دو گیسو کشادہ خوبصورت کہ صفت اونتواں کرد براسپ و چند نفر یار برابر او

Marfat.com

ایستادہ ہمیں نظر مبارک ایشاں برمن افتاد وپیش خود طلبیدہ فرمود کہ بیا چہ نیت داری گفتم نیت ایں دارم کہ ایں جا حوض بنا کنم۔ ہمدریں گفتگوئے کسی کہ نزدیک آں مرد استادہ بود مرا گفت اے شمس ایں رسول خدا است عزوجل۔ آنچہ درخواست داری باز نمائی تا آنمرد بد امن تو رساند۔ چوں مرا اندیشۂ ایں حوض بود ہمیں التماس کردم ودر پائے مبارک رسول علیہ السلام افتادم بعدہ برخاستم دست بستہ ایستادہ شدم ہمانجا کہ چبوترہ است اسپ رسول علیہ السلام دست بزد آب بیرون آمد رسول علیہ الصلوات والسلام فرمود کہ اے شمس ہمیں جا حوض راست بکنانی ایں چنیں آب بیرون خواہد آمد کہ در ہیچ شہر ومقامے لذت آں آب نباشد ہمدریں گفتگوئے بیدار شدم ہمانروز پگاہ سوار شدم چوں آنجا بیامدم کہ اسپ رسول علیہ السلام سم زدہ بود۔ چہ بینم کہ آب بیرون آمدہ است وآں جا قرار گرفتہ ہرکس کہ برابر شمس آمدہ بود قدرے ازاں آب خوردند سوگند برزبان راندند کہ صد ہزار شیریں از ہرچہ جمع کنندو بخواند ایں چنیں شیریں نیابند کہ لذت آں آب دارو۔ آنگاہ خواجہ قطب الاسلام فرمود کہ شیرینی آں آب ببرکت قدم مبارک رسول اللہ علیہ السلام بود۔ اس حکایت سے صاف عیاں ہے کہ جس مقام پر رات کو آپ کے گھوڑے کا سم دیکھا تھا۔ وہاں صبح کو پانی خوش گوار پایا۔ اگر قلب منور ہے تو اس جسمانیت کو سمجھنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل فی الصفات ہونا

ناز تھا حضرت موسیٰ کو ید بیضا پر
سو تجلی کا محل نقشِ کفِ پا تیرا

ان لایعقل وبرائے نام مسلمانوں کی حماقت پر افسوس کی کیا حد ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنی ہی ہستی سے غافل ہو کر خدا کے محبوب ترین و برگزیدہ نبی تاجدار دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو اپنی بے مثلی میں بے مثل ہیں) اپنے جیسا بنانے اور سمجھنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور وہ حکایات لاہیہ و روایات واہیہ اسلامی لباس میں عوام الناس کے لئے گھڑی ہیں۔ جن سے ابن سبا کی بھی روح پناہ مانگتی ہے اور کور باطن یہ بھی نہیں سمجھ سکے۔ کہ کفار کو نبوت پر اگر کوئی بڑا اعتراض کرنے کی جرأت ہوئی تو وہ یہی تھا ما انتم الا بشر مثلنا جس کا یہ اعادہ کر رہے ہیں۔ اگر ذرا بھی عقل سے کام لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ وہ ہستی مقدس جس کے قلب اطہر میں تمام جہاں کے اسرار و علوم۔ اور جو عالم ما کان و مایکون ہو جس کا سینہ انوار الٰہی کا گنجینہ اور معارف ربانی کا خزینہ ہو۔ جس کے رخ انور۔ پاکیزہ زندگی اور مسکن پاک کی خدا نے قسمیں کھائی ہوں۔ جس کا پیشاب پاک۔ پاخانہ خوشبودار۔ پسینہ معطر جس کی گفتگو خدا کی گفتگو۔ جس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ۔ جس کا لعاب دہن ہر مرض کی دوا۔ جس کا وجود مقدس سرتاپا برہان۔ جس کا بال بال برکت و رحمت۔ اور جس کی ذات منجانب اللہ معصوم و مصطفیٰ ہو۔ اس سے ہم کیا نسبت مماثلت رکھیں جو سرتاپا گنہگار و پُر خطا ہیں۔ ہم سے وہ کون ہے جس کے ہر ایک عضو میں وہ خواص پائے جاتے ہیں جو خدا کے لاڈلے اور نور مجسم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے ہیں۔ قیامت تک کا کس کو علم ہے کس کے ہاتھوں میں رحمت کے خزائن کی چابیاں ہیں۔ کس کے فضلات خارجہ پاک ہیں۔ پھر اگر یہ نہیں اور یقیناً نہیں تو بتایئے خدا کے بے مثل

Marfat.com

پیارے کے ساتھ مماثلت کا دم مارنا اور برابریٔ ذات وصفات کا مدعی ہونا انتہائی ضلالت اور منہ چڑانا نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسی ملحدانہ بے باکی اور جسارت تو مکذبین کے پیشوا مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی بھی نہیں کر سکے جو ان نفس کے بندوں سے ظہور میں آ رہی ہے۔

لاحول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم چشم حق بین ہو تو حضور کے وجود مقدس و معطر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنی ذات وصفات یں وہ بے مثل عبدیت رکھتے ہیں جس کی ہیئت سے بھی کسی دوسرے کی مماثلت کو خود ہی جائز قرار نہیں دیتے۔ اور انی لست کھیئتکم سے سب کی نفی فرمادیتے ہیں۔ اگر آپ بے مثل ہو کر دنیا میں نہ آتے تو آپ سے ظاہر و باطن میں معارضہ ہوتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ انبیاء میں سے جو نبی دنیا میں آتا ہے وہ ظاہری و باطنی عیوب بشری سے پاک ہوتا ہے۔ شکل وصورت اور صفائی میں بھی بے مثل ہوتا ہے۔

لہٰذا فقیر اس باب میں سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال ظاہری اور کمال باطنی سے چند وہ حقائق (جن سے معلوم ہو جائے کہ آپ اپنی نظیر نہیں رکھتے) مختصراً درج کتاب ہذا کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خداوند عالم جل مجدہ ان بے نصیبوں کو بھی ہدایت دے۔ جو سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مانند جان کر توہین نبوت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وباللّٰه التوفیق۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُوئے مبارک:

ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنا ایک بال مبارک ہاتھ میں پکڑے ہوئے فرمار ہے ہیں کہ جس نے میرے ایک بال کی بھی بے ادبی کی اس پر جنت حرام ہے۔ حاکم وغیرہ محدثین رحمہم اللہ علیہم نے روایت کی ہے کہ جنگ یرموک میں حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہوگئی اور وہ عین اس وقت جب کہ میدان کارزار گرم ہو رہا تھا اپنی ٹوپی ڈھونڈھنے میں مشغول ہو گئے۔ لوگوں نے ایسے حال میں جب کہ مسلمانوں کی موت و

Marfat.com

حیات کا سوال در پیش تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ٹوپی ڈھونڈھنے میں لگ جانے کو ناپسند کیا۔ لیکن وہ اسی ٹوپی کی تلاش میں لگے رہے۔ بالآخران کو ٹوپی مل گئی تو انہوں نے اپنے آپ کو مطمئن پا کر بیان کیا کہ اس میری ٹوپی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصیہ یعنی پیشانی مبارک کے بال ہیں۔ جو کہ ایک دفعہ آپ عمرہ بجالانے کو بیت اللہ تشریف لے گئے اور سر مبارک کے بال اتروائے اس وقت ہم سے ہر ایک بال لینے کی کوشش کر رہا تھا اور ہر ایک ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ تو میں نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک کے بال حاصل کر لئے تھے اور اس ٹوپی میں سی رکھے ہیں۔ میں اس ٹوپی کو اس لئے ڈھونڈ رہا تھا کہ یہ ٹوپی جس جنگ میں میرے سر پر ہوتی رہی ہے میں اس جنگ میں ضرور فتح یاب ہوتا رہا ہوں۔ اسی طرح بیہقی نے اور ابن الاثیر نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں نقل کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک:

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی الرسول میں غزوہ انمار (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد بن زیادہ سے اس نے زید بن ابی عتاب سے اس نے عبداللہ بن رافع بن خدیج سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ کو نکلے۔ مخالفین ہم کو دیکھ کر پہاڑوں کی کمین گاہوں میں مقیم ہو گئے اور حضور علیہ السلام نے اپنے لشکر کو ذی امر میں اتارا۔ پھر خود حضور قضائے حاجت کو دور تشریف لے گئے اس اثنا میں بارش آ گئی اور اس کے برسنے سے آپ کے کپڑے کسی قدر بھیگ گئے جن کو خشک کرنے کے لئے آپ نے وہاں ہی جہاں کہ آپ قضائے حاجت کو تشریف لے گئے تھے ایک درخت پر ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا جنگل میں ہیں غطفان نے اپنے بہادر سردار دعثور بن حارث کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اکیلے اور اپنے لشکر سے دور نظر آتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تو ان کا وہاں ہی کام تمام کر دے ممکن ہے پھر ایسا موقعہ نہ ملے۔ دعثور نے بھی یہ سن کر وقت کو غنیمت سمجھا

Marfat.com

اور اس بُرے ارادے پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے تلوار ہاتھ میں لے کر پہاڑ سے اتر آیا جب آپ کے قریب آیا تو اس وقت آپ ایک درخت کے نیچے لیٹے ہوئے اپنے کپڑوں کو دھیان فرما رہے تھے۔ اچانک جو نظر اٹھائی تو دعثور کو تلوار برہنہ کئے اپنے سر مبارک پر کھڑا پایا۔ اور آواز سنی۔ کہ آپ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا اللہ جو سب پر غالب اور برتر ہے۔ دعثور نے جب یہ کلمات سنے تو اس پر اللہ عزوجل کے نام و عظمت کا رعب چھا گیا پھر جبریل علیہ السلام نے اس کے سینے پُر کینے پر ایک ایسی ضرب لگائی۔ کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر حضور علیہ السلام نے تلوار کو اٹھا لیا اور اس کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بول اب تجھ کو مجھ سے کون چھڑائے گا۔ وہ بولا کوئی نہیں۔ تو آپ نے اس کو فرمایا جا چلا جا۔ وہ نہایت متعجب ہو کر وہاں سے پھرا اور کہنے لگا کہ آپ مجھ سے اچھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں بہتر ہونے کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں۔ پھر جب دعثور اپنے ساتھیوں میں لوٹ آیا تو انہوں نے کہا کہ کیا ہوا ہم نے تو تجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سر پر کھڑا دیکھا تھا۔ پھر تو نے کچھ بھی نہ کیا۔ تو کہنے لگا کیا کہوں خدا کی قسم جب تک میں زندہ رہوں گا ایسے محسن سے کبھی نہ لڑوں گا اور نہ ہی لوگوں کو ان کی بُرائی کے لئے بلاؤں گا۔ پھر اس کے بعد وہ اسلام قبول کر گیا۔ ایسا ہی ایک واقعہ محی السنتہ امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سند سے دنیا کی بدترین شخصیت ابوجہل کا روایت کیا ہے جس میں اس کا بھی اور قبیلہ بنی مخزوم سے ایک اور شخص کا بھی اپنے ارادوں میں خاسر و ناکام رہنا ذکر فرمایا ہے۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک:

دلائل میں ابونعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت فرمائی ہے جس کا مضمون ملخصاً یوں ہے۔ کہ ایک عورت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنے خاوند کی شکایت کی اور ظاہر کیا کہ وہ مجھے خوش نہیں لگتا اور نہ میں اس کو چاہتی ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تو اس کو بُرا جانتی ہے۔ اس نے عرض کیا۔ ہاں میں اس

Marfat.com

کو اچھا نہیں سمجھتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں اپنے سروں کو میرے نزدیک لاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا پس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے سر جوڑ کر اپنی مبارک پیشانی پر رکھ لئے۔ ان دونوں میں اس قدر محبت پیدا ہو گئی کہ ایک دوسرے کے بغیر ایک پل بھی صبر نہ کر سکتے۔

نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک:

تفسیر قرآن کریم میں تحت آیت اللّٰہ نور السموات والارض امام نحو و تفسیر نفطویہ نے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں چہرہ مبارک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے جو بلا اظہار دعوائے نبوت اور تعلم و تعلیم قرآن اہل بصیرت کے لئے دلیلِ رسالت و باعثِ ہدایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کا قول ہے کہ اگر آپ معجزات اور دلائل نبوت کو نہ بھی اظہار فرماتے تو چہرہ انور ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کافی تھا۔ احیاء العلوم میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی سادہ مزاج عربی کسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ پاتا تو قسمیہ طور پر پکار اٹھتا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہے۔ اور آپ کے اقوال و افعال اور شمائل ہی آپ کے سچا ہونے پر براہین قاطعہ تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی بھی خوش چہرہ نہیں دیکھا۔ دیکھنے میں ایسا دکھائی دیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور ایک آفتاب عالمتاب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہنستے تھے۔ تو دیواروں پر عکس پڑتا تھا۔ یہ روایت ترمذی میں موجود ہے۔ ابن عساکر نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں اندھیرے میں بیٹھ کر سی رہی تھی۔ کہ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی۔ بہت تلاش کی مگر نہ پائی اچانک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے رخ انور کی ضیاء سے تمام حجرہ روشن ہو گیا اور مجھے سوزن مل گئی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عائشہ! افسوس۔ افسوس۔ افسوس (۳) بار اس پر کہ جس نے مجھے نہیں دیکھا۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری و مسلم میں ایک روایت آتی ہے کہ سرکار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کیا تم دیکھتے ہو کہ میرا قبلہ تو ادھر ہے جدھر میرا منہ ہوتا ہے۔ لیکن قسم خدا کی تمہارا رکوع و سجود مجھ سے چھپا نہیں رہتا اور میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔

جنگ موتہ میں جب مسلمان میدان کارزار میں شریک تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کا علم اسلام اٹھانا اور شہید ہونا مسجد مدینہ منورہ میں تشریف رکھے ہوئے ملاحظہ فرما رہے تھے اور آنسو جاری تھے چنانچہ ابونعیم نے موسٰی بن عقبہ سے اور اس نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں جنگ موتہ سے جب یعلٰی بن منبہ حاضر ہوئے تا کہ جنگ کے حالات من وعن عرض کئے جاویں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے میں تجھ کو بتاؤں یا تم مجھے بتاتے ہو۔ اس نے عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بیان فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ وہاں ہوا۔ جو جو کسی پر گزرا۔ جوں جوں شہداء نے شہادت پائی سب ارشاد فرما دیا۔ یعلٰی تمام حالت کو قبل اپنے بیان کرنے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہنے لگ۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اصل واقعات سے سرمو کوئی فرق نہیں۔ معاملہ اسی طرح گزرا ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرف بحرف بیان فرما دیا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالٰی نے اس وقت میدان جنگ کو میرے سامنے کر دیا تھا اور میں دیکھ رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک:

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بوقت دفن جب حضور علیہ السلام کو لحد یعنی آرام گاہ میں رکھا گیا تو میں نے آخری دیدار کی غرض سے آپ کے چہرہ مبارک کی زیارت کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک متحرک ہیں۔ میں نے کان لگا کر سنا تو شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ اللھم

Marfat.com

اغفر لامتی اے رب میری امت کو بخش دے۔ پھر میں نے یہ امر تمام حاضرین سے ذکر کیا۔

تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دہان مبارک:

وائل بن حجر سے روایت ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ڈول پانی پیش کیا گیا جس سے کچھ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پی لیا اور پسماندہ ایک کنوئیں میں الٹا دیا گیا جس سے کستوری کی طرح مہک آنے لگ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مقام حدیبیہ میں معاہدہ حدیبیہ کے دن جب تشریف لے گئے تو گرمی کی شدت سے وہاں کا پانی خشک ہو گیا ہوا تھا۔ جس سے تکلیف کا امکان تھا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب غلاموں کی ایک کثیر جماعت تھی یہ معلوم کر کے کہ پانی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے ہمراہیوں سے) پانی کا ایک جام منگایا۔ اور اپنے دہان مبارک میں مضمضہ کر کے یعنی کلی فرما کر کنویں میں ڈال دیا۔ آپ کے دہان مبارک کی برکت سے پانی جوش مار کر کنویں کے کنارہ تک آ گیا کہ لوگ اس کو ہاتھوں سے چلو بھر کر پینے لگے۔

تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک:

جیسا کہ ہم نے اسی باب میں کسی دوسری جگہ بیان کیا ہے۔ یہاں بھی برمحل ذکر کرنا مناسب ہو گا۔ کہ بیہقی نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ بے مثل بشر یعنی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی (بوقت فرحت) خندہ فرمایا کرتے یعنی ہنستے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کی دیواروں پر شعاع پڑتی تھی۔ اور نورانی عکس معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کبھی نہ ایسے دانت دیکھے اور نہ سنے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ میرے پاس سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ کہ میرے مالک نے جس کا میں زرخرید غلام تھا میری درخواست پر مبلغ

Marfat.com

چالیس اوقیہ (سوا سیر) سونا لے کر مجھے آزاد کر دینے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اور مجھے یہ رقم کسی طرح بھی میسر نہ ہو سکتی تھی۔ تاہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر دیا کہ میرے آقا میری یہ قیمت طلب کرتے ہیں۔ حضور نے یہ سن کر مرغی کے انڈے کے برابر سونا (جو اس وقت حضور کے جائے نماز پر پڑا ہوا تھا) مجھے عطا فرمایا اور فرمایا کہ اسے مالک کو دے کر آزاد ہو جا۔ مجھے اس تھوڑے سے سونے کو پا کر تسلی نہ ہوئی اور عرض کیا کہ یہ مرغی کے انڈے کے برابر سونا چالیس اوقیہ کیسے ہوگا۔ تو خدا کے مختار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے واپس لے لیا اور اس کو زبان مبارک سے چاٹ دیا۔ اور فرمایا جا۔ چالیس اوقیہ ادا کر کے باقی واپس لے آ۔ تیرا قرض اتر جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قرض دے کر بھی اسی قدر بچ رہا۔

اکثر احادیث اس امر میں وارد ہوئی ہیں کہ سرکار انبیاء علیہ الصلوات والسلام تمام زمانہ کی زبانوں کے ایسے عالم تھے کہ کسی اہل زبان سے بامحاورہ گفتگو فرمانے میں اہل زبان بھی دنگ رہ جاتے۔ ہر زبان میں ہر ملک کے آنے والے سے ایسی ہی فصاحت سے کلام فرماتے جیسے اپنی مادری زبان عربی میں۔ حالانکہ غیر زبان رکھنے والا خواہ کتنی ہی سعی کرے مادری زبان دانوں کے مقابلہ میں صحت الفاظ، درستی کلام۔ ادائے کلمات میں برابر نہیں ہو سکتا۔ چونکہ آپ تمام کائنات کے اور تمام بنی آدم اسود و احمر کے نبی تھے۔ اور آپ کی نبوت قیامت تک کے لئے تمام جہان والوں کے واسطے تھی۔ اس لئے چاہئے بھی یہ تھا کہ آپ تمام جہان کی زبانوں بلکہ چرند و پرند۔ حیوانات و نباتات و جمادات سب کی زبان و سب کے بیان سے واقف ہوتے۔ چنانچہ بہت سی حدیثوں میں غیر ممالک کے افراد کے ساتھ ان کی زبانوں میں گفتگو فرمانے کا تذکرہ ہے۔

افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک:

سند المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب مسمےٰ بہ در الثمین فی مبشرات النبی الامین کی پندرہویں حدیث کے ضمن میں سیّد الخلائق محمد رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کا یوں ذکر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے میرے والد بزرگوار حضرت شیخ محدث شاہ عبد الرحیم دہلوی قدس سرّہ العزیز نے بیان کیا۔ کہ میں ایک وقت بیمار ہوا تو سرکار دو جہاں سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا حال دریافت فرمایا اور صحت و تندرستی کی بشارت فرمائی اور مجھ سے وضو کے لئے پانی طلب رمایا۔ پھر بعد وضو فرمانے کے ریش مبارک میں کنگھی فرمائی اور کنگھی سے نکلے ہوئے دو بال مجھے عطا فرمائے۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو بالکل تندرست تھا اور وہ دونوں موئے مبارک میرے ہاتھ میں موجود تھے۔ چنانچہ ایک والد بزرگوار نے مجھے مرحمت فرمایا جو اب تک میرے پاس ہے۔

تاجدار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے ممبر پر تشریف رکھتے ہوئے فرمایا کہ سب کے سب بیٹھ جاؤ۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز حضرت عبداللہ بن رواحہ صحابی رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی غنم میں سنی اور وہیں بیٹھ گئے (حالانکہ وہ بہت دور تھے اور عام انسانی آواز کا وہاں تک پہنچنا محالات سے تھا) حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا کہ تو ایمان لا۔ وہ کہنے لگا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میری مردہ لڑکی کو زندہ فرما دیں تو میں اسلام لے آؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو اپنی لڑکی کی قبر دکھاؤ۔ وہ شخص آپ کو اپنی لڑکی کی قبر پر لے گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر لڑکی کو آواز دی۔ اس لڑکی نے میں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ کیا تو تمنا کرتی ہے کہ تجھے دنیا پر لوٹا دیا جائے۔ اس نے عرض کیا کہ نہیں کیونکہ میرے خدا کا کرم مجھ پر ماں باپ سے زیادہ ہے۔ اور دنیا کے آرام سے آخرت بہتر۔ اسی طرح کی ایک روایت شفاء قاضی عیاض میں بھی آئی ہے جس میں ایک شخص کا اپنی لڑکی کے جنگل میں فوت ہو کر دفن

Marfat.com

کیے جانے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنا اور اس کی جدائی سے نالاں ہونا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی قبر پر تشریف لے جانا پھر اس کو پکارنا اور اس کا زندہ ہو کر باہر آ جانا اور ہمکلام ہونا لکھا ہے۔

سرکار مکی صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم بہت سے آدمی دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے کہ اچانک سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اوپر اٹھا کر وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ فرمایا (گویا کسی کے سلام کا جواب دیا مگر کوئی سلام کہنے والا اور جواب سننے والا نظر نہ آیا) ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے سلام کا جواب دیا ہے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ گزرے ہیں (حالانکہ یہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے تھے) ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز درود شریف پڑھنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ اس دن کوئی ایسا شخص نہیں جو مجھ پر درود بھیجے اور مجھے اس کی یہ آواز نہ پہنچے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بعد از وفات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنیں گے۔ تو فرمایا ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام زمین پر حرام فرما دیے ہیں کہ کھائے۔

سرکار عالی نسب صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو مبارک:

مغازی میں ابن اسحٰق سے ایک طویل روایت جس کی اس مختصر میں مکمل اندراج کی گنجائش نہیں۔ آئی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص بنی ہاشم سے مسمی رکانہ بڑا تیغ زن اضم کے جنگل میں رہتا تھا۔ اتفاقاً حضور بھی ایک دن وہاں تشریف لے گئے تو رکانہ نے اپنی بہادری کے گھمنڈ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی لڑنے کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر پہلی ہی جھڑپ میں گرا دیا اس نے اس کو سوءِ اتفاق پر محمول کیا۔ اور پھر آیا آپ نے پھر گرایا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ ذلیل ہوا اور اٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے اسلام پیش کیا مگر نہ مانا۔ کہ لوگ کہیں گے کشتی میں گر کر اسلام قبول کر گیا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اسلام لے آیا تھا۔

اس رکانہ کے علاوہ بہت سے پہلوانوں اور بہادروں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا موقعہ بنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پچھاڑ دیا۔ چنانچہ ابوالاسود جمحی کے مقابلے کا بھی قصہ آتا ہے حالانکہ یہ وہ شخص تھا۔ کہ اگر بیل کے رنگے ہوئے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی اس چمڑے کو کنارے سے پکڑ کر اس کے پاؤں سے کھینچ لینا چاہتے تو چمڑا پھٹ جاتا۔ لیکن اس کے پاؤں سے نہ نکال سکتے۔ یہ شخص جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آ کر اسلام کی شرط پر کشتی لڑتا ہے۔ تو گر جاتا ہے۔ اور اسلام لانے کی شرط کو بھی توڑ دیتا ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقاب کی ایک تصویر پر جو ایک ڈھال پر کھینچی ہوئی تھی اپنا دست مبارک رکھا۔ اور جب اٹھایا تو وہ تصویر بالکل مٹ چکی ہوئی تھی۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن کہتے ہیں۔ کہ جنگ بدر میں میری تلوار ٹوٹ گئی تو حضور علیہ السلام نے مجھے ایک لکڑی اپنی دست مبارک سے زمین پر سے اٹھا دی۔ میں نے پکڑی تو وہ نہایت تیز اور چمکدار تلوار تھی۔ میں نے اسی سے کام لیا۔ اور وہ مدت العمر میرے پاس رہی۔

سیرت نبویہ میں مرقوم ہے۔ کہ جس دن مکہ فتح ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ مکرمہ کی چھت پر اذان کہنے کا حکم دیا پس ان کی اذان سننے سے بعض کافر تمسخر اڑانے لگے اور ان کی ناپسندیدہ لہجے میں نقلیں اتارنے لگے۔ ان ہجو کرنے والے لوگوں میں ایک شخص ابی محذورہ بھی تھا جس کی آواز بہت اچھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ ابومحذورہ کو حاضر کرو۔ جب وہ آیا تو اسے خیال تھا کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے قریب فرما کر اس کی پیشانی اور سینہ پر دست حق پرست پھیرا۔ ابومحذورہ فرماتے ہیں۔ کہ بمجرد آپ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کا دست مبارک پھرنے کے میرا دل نور ایمان و یقین سے بھر گیا اور مجھے سچے دل سے سمجھنا پڑا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابومحذورہ کو اذان کے کلمات خود سکھائے اور حکم دیا کہ بلند آواز سے اذان کہہ تا کہ تمام اہل مکہ سنیں۔ ابومحذورہ کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی اور جب تک جیتا رہا۔ مکہ میں اذان کہنے کی خدمت اسی کے سپرد رہی۔ پھر اس کے بعد اس کی اولاد وارثِ اذان حرم مکہ ہوئی۔

کریم نبی کی انگشتان مبارک:

حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ میں نے مہد میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک نشان دیکھا تھا جو میرے ایمان کا باعث ہوا اور وہ یہ تھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھولے میں پڑے ہوئے چاند سے ہمکلام ہو رہے تھے۔ اور چاند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے پر حرکت کرتا تھا جدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کا اشارہ ہوتا چاند بھی ادھر ہی ہو جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس سے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ اور مہد میں مجھے رونے سے بہلاتا تھا۔ اور میں اس کے عرش الٰہی کے نیچے سجدہ میں گرنے کی آواز سنتا تھا۔ ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آمنہ فرماتی ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدائش کے وقت زمین پر پڑے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت شہادت اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی تسبیح پڑتا ہے باقی انگلیاں بند تھیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔ کہ مقام حدیبیہ میں لوگوں کو پیاس نے سخت پریشان کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شاکی ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چمڑے کے ایک چھوٹے سے برتن میں پانی رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے وضو فرمالیا اور لوگوں نے عرض کیا۔ کہ اس پانی کے سوا جس سے حضورؐ نے وضو فرمایا ہے۔ ہمارے پاس نہ پینے کو پانی ہے اور نہ وضو کرنے کو۔ شاید ایک دو گھونٹ اسی چمڑے کے برتن میں ہوں تو ہوں۔ یہ سن کر حضورؐ نے اپنا ہاتھ مبارک اس برتن میں ڈال دیا تو پانی

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے فواروں کی طرح جاری ہو گیا جس سے تمام لشکر معہ اونٹوں، گھوڑوں، گدھوں کے سیراب ہو گیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ کہ تم اس وقت کتنے آدمی تھے۔ آپؓ نے فرمایا پندرہ سو تھے اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ کافی تھا۔

ایسے بے شمار واقعات حدیثوں میں آئے ہیں چنانچہ عکرمہ بن ابوجہل کے ایمان لانے کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ ایک مرتبہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی پانی کے کنارے پر قیام فرماتے تھے کہ ابوجہل کا لڑکا عکرمہ بھی ادھر آ نکلا اور آپ کا اسم گرامی پکار کر کہنے لگا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں تو اس پتھر کو (جو اسی پانی کے پرلے کنارے پڑا ہے) بلائیں کہ وہ پانی پر تیرتا ہوا ہماری جانب آئے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اس کو انگشت مبارک کا اشارہ فرمایا اور وہ پانی پر تیرتا ہوا چلا آیا اور فصیح زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کو فرمایا کہ یہ واقعہ تیری تسکین کو کافی ہے تو عکرمہ نے عرض کیا۔ ہاں کافی ہے اگر یہ اپنے مقام پر واپس تیرتا ہوا لوٹ جائے۔

رسول رؤف صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک:

حاکم نے مستدرک میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت کی ہے کہ ایک وقت میری آنکھیں دکھتی تھیں تو سرکار انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام نے میرا سر اپنی گود مبارک میں لے کر اور اپنی کف دست کو لعاب دہن مبارک لگا کر میری دونوں آنکھوں پر مل دیا اس کے بعد اس وقت سے تمام عمر میری آنکھیں نہیں دکھیں۔

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم ایک سفر حج میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بطن روحا جو ایک وادی کا نام ہے) پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا جو آپ کو سواری روکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تھم گئے اور اپنی سواری کو روک لیا۔ پھر وہ عورت آپ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے قریب ہوئی اور اپنا ایک بچہ پیش کر کے عرض کرنے لگی کہ جس دن سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے کسی آسیب کے پنجہ میں گرفتار ہے اور یہ کبھی اپنی عمر میں ایک گھڑی کے لئے بھی صحت یاب نہیں ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وہ بچہ لیا اور اس کو اپنے سینہ مبارک سے لگا کر سواری پر دھر لیا اور اپنا لعاب دہن مبارک اس کے منہ میں ڈال کر فرمایا اور دشمنِ خدا اس سے دور ہو جائیں اللہ کا رسول ہوں پھر بچہ اس عورت کو لوٹا دیا اور فرمایا اس کو لے جا اب اسے کوئی ڈر نہیں اس کی بیماری جاتی رہی ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور بطن روحا میں آئے تو وہ عورت بطور نذرانہ ایک بکری لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جس کو میں نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ذبح کیا اور بھونا چنانچہ جب میں بھون رہا تھا تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کا ایک کلّہ پختا مجھے دے میں نے پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرما کر فرمایا دوسرا بھی نکال۔ میں نے وہ بھی پیش کیا تو کھا کر فرمایا اور بھی لا تو میں نے عرض کیا یہی تھے جو میں نے دے دیئے۔ فرمایا مجھے خدا کی قسم ہے اگر تو نکالتا جاتا اور نفی نہ کرتا تو تیری ہنڈیا سے اس وقت تک گلّے نکلتے رہتے جب تک میں طلب کرتا رہتا۔

سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات آپ وتروں سے پہلے استراحت فرماتے ہیں اور سو جاتے ہیں پھر بعض دفعہ بغیر وضو فرمائے کے وتر ادا کرنے شروع فرما دیتے ہیں یعنی حضرت ام المومنین کا منشاء یہ تھا کہ آپ کا وضو رہتا ہے یا نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے مجھے اپنے وضو کی حالت معلوم رہتی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں سورۂ روم پڑھی تو آپ کو تلاوت میں کچھ دشواری ہوئی جب نماز

Marfat.com

سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے ہیں اور وضو اچھی طرح نہیں کرتے پس جو شخص ہمارے ساتھ نماز پڑھنا چاہے چاہئے کہ اچھا وضو کرے کیونکہ اس کا ناقص الوضو ہونا ہمارے دل پر بوجھ ڈالتا ہے۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک:

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصلی روزہ (صوم وصال) رکھا کرتے اور صحابہ کو منع فرماتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صوم وصلی سے منع فرماتے ہیں اور خور وزہ ملاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں میں رات اپنے خدا کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا ہے اور وہی پلاتا ہے۔

حضرت امہانی بنت ابی طالب فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک کو اگر دیکھتی تو مجھے دوہرا کیا ہوا کاغذ خیال میں آ جاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم پیغمبروں کا گروہ ہیں ہمارے پیٹ سے جو نکلے زمین کو اس کے نگل جانے یا ڈھانپ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

سیّد ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک:

ابو نعیم کی ایک روایت میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں جبکہ میری والدہ مجھے مدینہ میں لے گئی تھی اور میں وہیں تھا ایک یہودی ہر روز مجھے بڑی مشتبہ نگاہ سے دیکھا کرتا آخر نہ رہ سکا تو ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ تمہارا کیا نام ہے میں نے جواب دیا میرا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے پھر اس نے میری پیٹھ کو دیکھا اور یوں گویا ہوا کہ یہ اس امت کا نبی ہے پھر اس نے اپنے بھائیوں کے پاس جا کر یہ کیفیت ذکر کی اور انہوں نے میری والدہ کو یہ قصہ سنایا والدہ صاحبہ اس حال کو سن کر خوفزدہ ہو گئیں کہ یہودیوں کا حسد میرے بچے کو کہیں گزند نہ پہنچائے اور مجھے واپس مکہ میں لے آئیں مگر مقام ابواء

Marfat.com

میں پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس برس کے قریب تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناف مبارک:

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو میرے انتقال کے بعد تم خود ہی مجھے غسل دینا کیونکہ جو شخص دوسرا میرے ستر کو دیکھے گا اندھا ہو جائے گا ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری فضیلت میں ایک یہ امر بھی داخل ہے کہ میں پیدائشی مختون پیدا ہوا ہوں اور کسی نے میری شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رانہائے زانو وساقین مبارک:

بہت سی احادیث میں حضورؐ کے جسم اطہر اور رانوں پنڈلیوں کی برکت سے بعض سست رو اور کمزور جانوروں کا تیز رو اور چست ہونا آیا ہے جس کی وضاحت بخاری و مسلم طبرانی وغیرہ کی احادیث بروایت عقمہ بن مالک عبداللہ بن ابی طلحہ اور ابو ہریرہ سے ہوتی ہے۔

سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بمعیت حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کوہ شبیر پر کھڑے تھے اور میں بھی حاضر خدمت تھا کہ اچانک پہاڑ کو لرزہ ہوا (جیسے زلزلہ آتا ہے) کہ اس کی چوٹی کے پتھر گرنے لگے حضور علیہ السلام نے یہ دیکھ کر اپنا پاؤں مبارک زور سے پہاڑ پر مارا اور فرمایا کہ اے شبیر ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ علی رضی اللہ عنہ بیمار تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو بیمار دیکھ کر فرمایا۔ اے اللہ اسے شفا دے اور ساتھ ہی اپنا پاؤں مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مارا ان کو اسی وقت صحت ہو گئی۔ اور زاں بعد کبھی بیمار نہ ہوئے۔

حضرت امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آپ کو کبھی اتفاق سے پتھروں پر چلنے کا موقعہ مل جاتا تو پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے نیچے ایسے نرم ہو جاتے کہ

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کے ان پر نشان لگ جاتے۔

ایسی بے شمار اور احادیث بھی موجود ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مطہر، قد مبارک، خون وعرق معطر، لعاب دہن مبارک وغیرہ کے بے مثل فی الصفات ہونے کا تذکرہ ہے جو بخوف طوالت کتاب یہاں درج نہیں ہو سکا۔

کیا اپنے جیسا کہنے والے نام نہاد موحد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے ہر عضو کی ان برکات کو جو احادیث سے اس مختصر بیان میں لکھی گئی ہیں کسی دوسرے وجود میں ثابت کر سکتے ہیں جن کی بنا پر وہ اپنے جیسا کہنے کے مدعی ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں اور حلفاً نہیں تو پھر خوف خدا کریں اور نبی الکل صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے باز رہیں جس سے ایمان نہیں رہتا۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ اللھم بحق جمال محمدٍا رنی وجه محمد صلی اللہ علیہ وسلم حالا وما لا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

حکیم محمد اسلم شاہین قادری عطاری

کی مشہور و معروف مستند اور خوبصورت کتب

سنتیں اور انکی برکتیں
محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سننِ مطہرہ کے طبی و روحانی فوائد پر جامع کتاب

طبِ اسلامی
طبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جملہ امراض کے علاج کا بیان

گناہوں کا علاج
اسلام اور طب کی روشنی میں بے شمار جرائم اور بری عادات کے انسداد اور روحانی امراض کے علاج پر بے مثال تصنیف

شادی مبارک
اسلام اور طب کی رو سے خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے راہنما نادر و نایاب کتاب
مسلمان خاوند اور بیوی کے لئے خوبصورت تحفہ

فیضانِ طبِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
طبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بے شمار عوارضِ جسمانی کے علاج کا بیان، جڑی بوٹیوں اور غذاؤں سے علاج، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و فضائل کا ایمان افروز تذکرہ

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
۱۱۔ گنج بخش روڈ ۔ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انسائیکلوپیڈیا

امام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر تصنیف

حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین

اردو ترجمہ کے ساتھ پیش خدمت ہے

مترجم پروفیسر علامہ محمد اعجاز جنجوعہ

خصوصیات

- معجزہ کی حقیقت معجزات مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے موازنہ
- سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر پہلو میں پوشیدہ معجزات کا ترتیب وار مفصل بیان۔
- فضائل وخصائص مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور احوال سیرت کا عشق افروز تذکرہ۔

بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ہدیۂ درود وسلام کے موضوع پر عالم اسلام میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب

دلائل الخیرات کی شہرۂ آفاق شرح

مطالع المسرات

از: امام علامہ محمد مہدی فاسی رحمۃ اللہ علیہ

کا مستند عام فہم اردو ترجمہ

از: شرف اہلسنت شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

- قرآن مجید، احادیث اور اسلاف کی روایات کی روشنی میں درود وسلام کے بے شمار فضائل اور فوائد وثمرات کا حسین ودلکش بیان۔
- قرآن وحدیث کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعشق کے تعلق پر مدلل بحث۔
- اللہ تعالیٰ کے ننانوے (99) اسمائے حسنیٰ کے فوائد وخواص کا بیان۔

فتوح الغیب کی فارسی شرح

مظہر الریب کا اردو ترجمہ

طریقت وروحانیت پر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ۷۸ مواعظ عالیہ کا

بے مثال مجموعہ

خصوصیات

خلافت ودولت اسلامیہ کی پہلی نو صدیوں کی تاریخ پر

مولانا جلال الدین عبدالرحمن سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز تصنیف

تاریخ الخلفاء

کا اردو ترجمہ

محبوب العلماء

- خلفائے اسلام اور سلاطین بنو امیہ وبنو عباس کے احوال پر جامع تاریخ۔
- خلفاء وسلاطین کی سیرت وکردار اور امتیازات کا مفصل اور جامع بیان۔
- خلفاء وسلاطین کے عہد کی فتوحات اور اہم واقعات کا سال بسال تذکرہ۔

Marfat.com